مونا وانا

یعنی

بلجین مصنف مارس میٹرلنک کے ڈرامہ کا ترجمہ

از

جلیل احمد قدوائی ایم اے

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طبع ہوا
۱۳۵۱ھ ۱۹۳۳ء

تعداد طبع ایک ہزار جلد

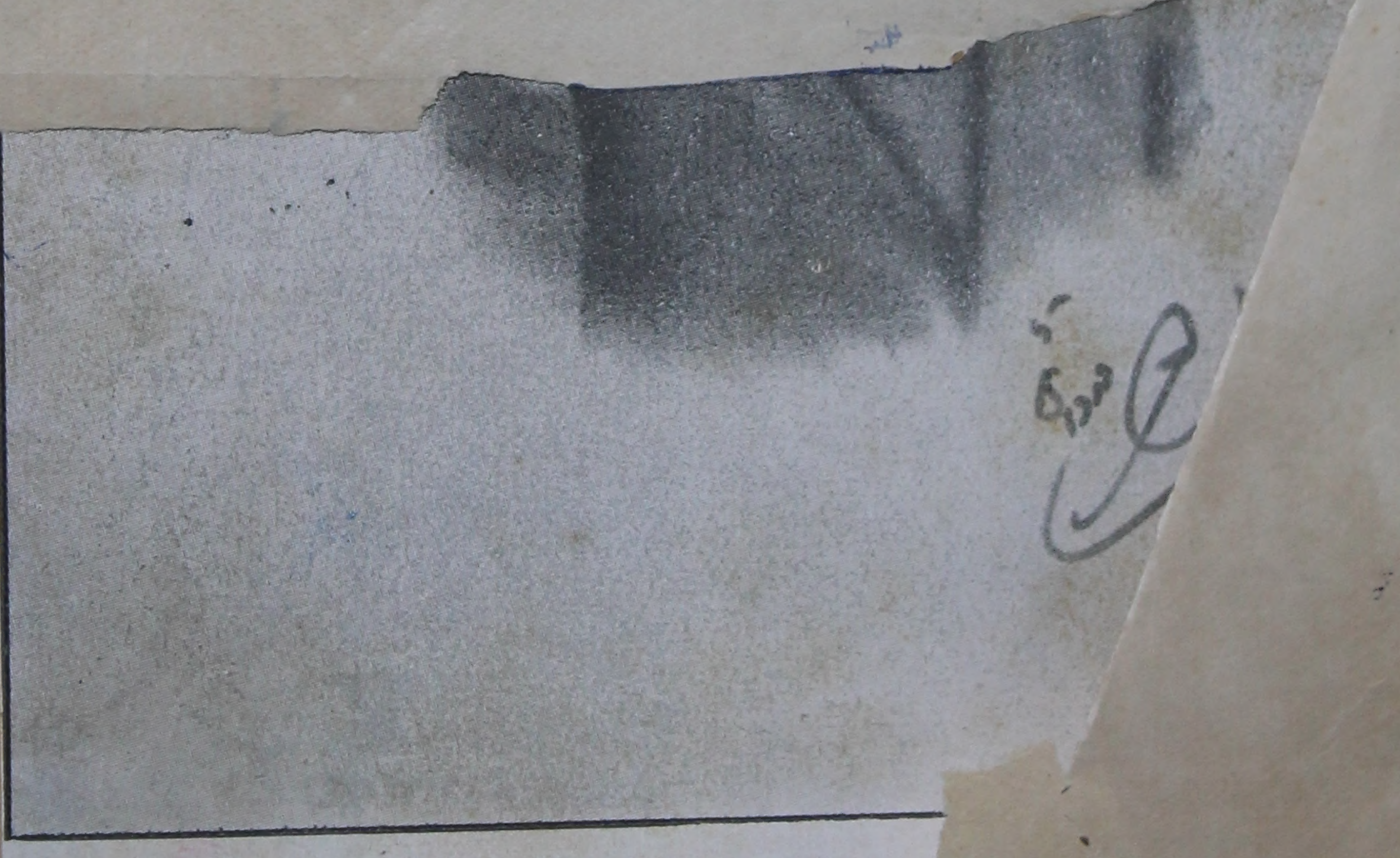
قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

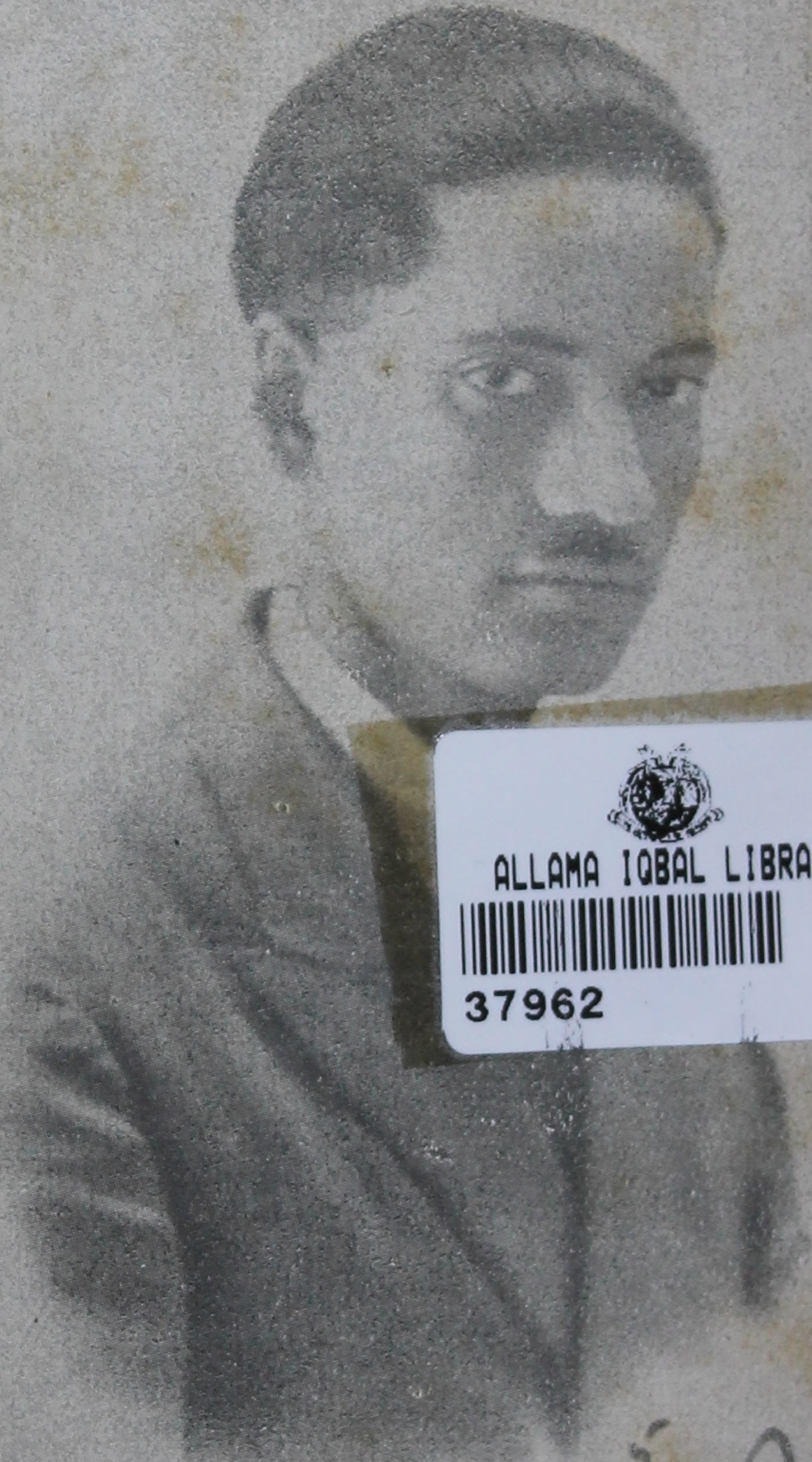
مونا وانا

مونا وانا

مترجمہ

جلیل قدوائی





مونا و انا

قطرۂ گوہر! قطرۂ گوہر

قصر بلوریں، جس میں ہر وقت مینا بازار کی سی چہل پہل رہتی تھی، آج بالکل سنسان نظر آرہا ہے۔ وہ قصر بلوریں جس کے ہر گوشے سے رقص و سرود کی آوازیں آتی رہتی تھیں جس کے ایوان خانے میں کنیزوں کے ریشمی ملبوسات کی سرسراہٹ ہمیشہ محسوس ہوتی رہتی تھی جس کے کمروں میں نقرئی گھونگروؤں کی آواز کے ساتھ ہلکے ہلکے قہقہوں کا لحن ملا ہوا ہر وقت گونجتا رہتا تھا آج وہی قصر بلوریں ایک مقبرہ کی طرح سنسان ہے۔ جس کے اندر ملکۂ ناہید پھولوں سے لدی ہوئی سیج پر اس طرح خاموش و ساکت پڑی گویا وہ کسی قدیم ملکۂ مصر کی حنوط شدہ لاش ہے۔

ایک نوجوان کنیز جس کا زرنگار سینہ بند، آب رواں کی ہلکی چادر کے نیچے ایسا نظر آتا ہے جیسے شفاف موجوں کے نیچے سورج کی تڑپتی ہوئی کرنیں۔ ہاتھ میں پھولوں کا پنکھا لئے ہوئے اس طرح خاموش کھڑی ہے گویا کہ وہ کوئی سنگ مرمر کا بنا ہوا مجسمہ ہے جسے بہ لحاظ حسن و جمال ملکہ کی سیج کے قریب جگہ دی گئی ہے۔

دوسری کنیز، جس کے عریاں شانہ و دوش پر بکھرے ہوئے سنہرے بال ایسے

معلوم ہوتے ہیں جیسے آئینے میں دور سے کسی آبشار زریں کا نظارہ۔ قدموں کے پاس سر جھکائے خاموش بیٹھی ہے اور بنفشہ کے ان پھولوں کو دیکھ رہی ہے جن سے ایک ساعت قبل وہ اپنی ملکہ کے تلوے سہلا رہی تھی۔ خوابگاہ کے ایک بعید گوشہ میں رقاص کنیزیں جن کی جھکی ہوئی نازک کمر، بکھرے ہوئے بال۔ ایک ہی حال میں قائم ہو کر رہ گئے تھے۔ خوابگاہ کے مختلف گوشوں میں اس طرح خاموش و ساکت نظر آتی تھیں گویا یہ کسی عجائب خانہ کی مومی تصویریں ہیں۔ کسی کی انگلی تار کو چھوتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن چھو نہ سکتی تھی۔ کسی کا ہاتھ دف سے علیحدہ ہو کر ہٹا ہی تھا کہ وہیں رہ گیا۔ کوئی رقص کرتے کرتے کمر کو لچکا کر ہاتھ سے فرش کو چھونا ہی چاہتی تھی کہ اسی حال میں قائم ہو گئی، کسی نے نقرئی گھونگروؤں میں آواز پیدا کرنے کے لئے اپنی گلاب کی کلی کی طرح رنگین و خوبصورت ایڑی کو اٹھا کر نیچے فرش پر ٹھوکر مارنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اسی حالت میں مجسمہ بن کر رہ گئی عود دانوں سے مشک و عنبر کا دھواں بھی بل کھاتا ہوا ایک جگہ قائم ہو گیا تھا۔ اور جس آخری نغمے کو سنتے سنتے ملکۂ ناہید محو خواب ہوئی تھی وہ بھی فضا میں اسی طرح گونجتا ہوا رہ گیا تھا۔

یہ قصر بلوریں کی طلسم بند فضا کا اثر تھا کہ جب ملکۂ ناہید سونے کو ہوتی تو غفلت خواب کے اولین لمحہ میں جو چیز جس حال میں ہوتی۔ اسی طرح قائم و منجمد ہو کر رہ جاتی اور جب وہ بیدار ہوتی تو سب میں آثارِ حیات دفعتاً پیدا ہو جاتے، اور جس حالت میں ان پر کیفیتِ خواب طاری ہوتی وہیں سے پھر اپنے مشغلہ کو شروع کر دیتے۔

ملکۂ ناہید صبح ہی سے کچھ برہم تھی۔ اور اسی کیفیت کو لئے ہوئے سو گئی تھی اس لئے جب سہ پہر کو وہ بیدار ہوئی، اور خوابگاہ کی تمام کنیزیں خود بخود چونک کر اپنے اپنے مشاغل نشاط میں لگ گئیں تو اس نے ایک ہاتھ سے اپنی دکھتی ہوئی پیشانی کو پکڑتے ہوئے دوسرے ہاتھ کے اشارے سے سب کو منع کر دیا۔ اور آواز کے ایسے حزن و ملال کے ساتھ جیسے بانسری کا کوئی درد بھرا سُر ہو۔ اس نے حکم دیا کہ "نسرین" کو بلایا جائے۔

ملکۂ ناہید تمام نسائی مخلوق میں وہی حیثیت رکھتی تھی جو جواہرات میں الماس اور پھولوں میں گلاب کو حاصل ہے۔ اس کا حسن و جمال۔ اس کی رعنائی اور سب سے زیادہ اس کی نزاکت و خوش ادائی ایک ایسی حقیقت تھی کہ آفتاب کے طلوع سے تو کسی وقت انکار ممکن بھی ہے لیکن اس کے وجود سے انکار محال تھا۔ جب کبھی وہ صبح خانہ باغ کی روشوں پر ٹہلتی ہوتی اور آفتاب طلوع ہوتا تو یہ تمیز کرنا دشوار ہو جاتا کہ آیا آفتاب اس پر طلوع ہوا ہے، یا یہ آفتاب پر — اور سورج کی کرنیں اس کے چہرے کو منور کر رہی ہیں، یا اس کے جسم کی شعاعیں آفتاب کو، مشہور تھا کہ کوئی متنفس ملکۂ ناہید کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ اور اگر کسی نے دیکھ لیا تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس بجلی کی پھانس اُسکے دل سے بآسانی نکل گئی ہو۔ اس کا رنگ جسم یہ معلوم ہوتا تھا کہ نسترن زار فردوس کی صباحت میں ہلکا سا رنگ شفق مِلا کر بلوری جلد کے نیچے دوڑا دیا ہے، آنکھوں کے سُکر و خمار کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کبھی کوئی پوری نگاہ کسی پر ڈال دی تو یہ معلوم ہوا کہ کوئی سیلاب ہے جو "ابدیت" کی طرف بہائے لئے جا رہا ہے۔

شبستان کی سلطنت میں جو تمام اطراف و جوانب میں اپنی تازگی و شگفتگی کی وجہ سے بہت مشہور تھی۔ عرصہ سے نسائی حکومت و اقتدار قائم تھا لیکن جو پیچیدگی ملکۂ ناہید کی تخت نشینی کے بعد پیدا ہوئی وہ کبھی رونما ہوئی تھی۔ کیونکہ اس سے قبل کوئی ملکہ ایسی نہ تھی جو شادی سے قبل تخت نشین ہوئی ہو۔ اور اس کی شادی کا مسئلہ ملکی مسئلہ قرار نہ پایا ہو۔

ملکۂ ناہید کی ماں اس میں شک نہیں کہ عمر طبعی پوری کرنے سے قبل ہی مرگئی اور وہ اپنی بیٹی کے لئے کسی شوہر کا انتخاب نہ کر سکی۔ لیکن اس میں کچھ ملکۂ ناہید کی بھی ضد شامل تھی، جو کسی طرح اپنے آپ کو دوسرے کے قبضہ و اقتدار میں دینا پسند نہ کرتی تھی۔ اس لئے وہ ماں کے انتقال کے بعد حسب دستور سلطنت ناہید کی تخت نشین تو ہوگئی لیکن امراء و اکابر سلطنت کے سامنے ایک بڑا اہم سوال یہ آگیا کہ نظم حکومت میں کسی مردانہ دل و دماغ کو شریک ہونے کی طرف کیونکر ملکۂ ناہید کو مائل کیا جائے۔

* * *

ملکۂ ناہید سیاہ کتاں کی باریک چادر میں جو ایک طرف شانہ سے ڈھلک کر کہنی پر پہنچی ہوئی تھی اور دوسری طرف ہر جنبش قدم کے ساتھ ساتھ زمین پر لوٹتی تھی۔ نہایت افسردگی کے عالم میں آہستہ آہستہ ٹہل رہی تھی۔ وہ کسی فکر میں مبتلا تھی اس کے چہرے سے حقارت آمیز غصے کے آثار بھی پیدا تھے۔ پیشانی پر بار بار لٹک پڑنے والی زلفوں کو جس وقت وہ ہاتھ سے اوپر کرتی تھی۔ تو اس میں بھی برہمی ملی ہوئی نظر آتی تھی۔ ابروئیں کچھ اس طرح تن رہی تھیں، گویا

غیر معمولی قوت کے ساتھ کمانوں کو کھینچا جا رہا ہے اور پیشانی کی ہلکی ہلکی شکنیں ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے یہاں کا کا فورسمٹ کر ایک جگہ آ گیا ہے۔ اور اس میں پسینے کے قطرے گویا ہیرے ہیں جو بے ترتیبی سے اِدھر اُدھر جڑ دئے گئے ہیں۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں پر پڑی رہنے والی سیاہ لانبی پلکیں جو مشکل ہی سے کبھی پتلیوں کو پورا نظر آنے دیتی تھیں اس وقت اور زیادہ مضمحل ہو کر اس طرح نیچے کی طرف مائل تھیں گویا کسی طائر نے تھک کر اپنے بازو لٹکا دئے ہوں، اس کے پھڑکتے رہنے والے باریک نتھنوں کی نازک رگیں اس وقت سُرخ ہو کر ایسی نظر آ رہی ہیں جیسے بلور میں کسی نے عقیق کے ریشے دوڑا دئے ہوں۔

"نسرین" جو تعلقات قلبی کے لحاظ سے ایک طرف ملکۂ ناہید کی نہایت ہی راز دار بے تکلف اور قابلِ اعتماد سہیلی تھی اور خدمات سلطنت کی حیثیت سے دوسری طرف ایسی کاتب خصوصی کہ جس کی وساطت بغیر محکمۂ وزارت کا بھی کوئی کاغذ پیش نہ ہو سکتا تھا۔ سامنے کا زربفتی پردہ ہٹا کر دروازے میں آ کر اس طرح ٹھہری، گویا کہ وہ خود کوئی زرکار پردہ ہے۔ اس نے تھوڑی دیر وہیں کھڑے کھڑے ملکۂ ناہید کی حالت کا اندازہ کیا اور پھر تیزی لیکن پورے احتیاطِ ادب کے ساتھ آگے بڑھی اور ملکہ کے سامنے جھک کر مُسکراتے ہوئے عرض کیا کہ "ملکۂ عالم! اس دن کا واقعہ آپ کو یاد ہے، جب منصور کے کاغذات حضور میں پیش کئے گئے تھے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ خودکشی کرتے وقت اس نے کیا کہا تھا۔"

ملکہ نے کہا۔ "مجھے نہیں معلوم، بتا اس نے کیا کہا تھا؟" نسرین بولی "اسکے

آخری الفاظ، جو سمعِ مبارک تک نہیں پہنچ سکے یہ تھے کہ "اے ملکۂ عالم! ایک بار تجھے اس عالم میں دیکھنے کے بعد کس کافر کو پھر زندہ رہنے کی تمنا ہو سکتی ہے۔ تجھ سے محبّت کرنے کے جرم میں جلاد کے تیشہ سے تیری غیبت میں ہلاک ہونا اگر ناکامیٔ عشق کی انتہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ تیری برہمی کو آسودہ کرنے کے لئے تیرے ہی حضور میں خود اپنے ہاتھ سے جان دیدینا محبت کی کامیابی نہ سمجھی جائے۔"
اسی لئے میں کہتی ہوں کہ اے ملکۂ عالم! خدا کے لئے آپ کبھی برہم نہ ہوا کریں کہ پھر کوئی انسان عقل و دماغ کے توازن کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ خوف و اندیشہ سے نہیں بلکہ جذبۂ ایثار و محبت سے۔ دنیا اگر آپ سے محبت کرتی ہے تو کرنے دیجئے، آپ اس کے مٹانے کے پیچھے کیوں پڑی ہیں۔ آپ کہاں تک اس آفت کا مقابلہ کریں گی جو قدرت نے آپ کے سراپا میں ودیعت کرکے اس وقت تمام شبستانِ پرنازل کی ہے۔ مرد کے نام سے آپ کو جتنی نفرت ہوتی جاتی ہے مرد اتنا ہی زیادہ آپ پر مائل ہو رہا ہے اور محبت سے آپ جس قدر بیزار ہوتی جا رہی ہیں اتنی ہی شدت سے یہ چیز آپ کے سامنے پیش ہو رہی ہے پھر نہ آپ کو اس کا خیال کہ مقررہ آئینِ سلطنت کے لحاظ سے ایک مردانہ دماغ کی شرکت آپ کے ساتھ کس قدر ضروری ہے۔ نہ اس کا اندیشہ کہ یہ جو آپ کو دیکھ کر ہر شخص دیوانہ سا ہو جاتا ہے اس کا نتیجہ کیا ہونا ہے۔ اب رہا یہ کہ جب کائنات کی ہر چیز کسی دوسری چیز سے مل جانے کے لئے بیتاب ہے تو آپ میں کیوں یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ سو اس کے متعلق میں کیا عرض کر سکتی ہوں۔ خدا ہی اس کو بہتر جانتا ہے کہ یہ صرف آپ کے ضبط کی انتہا ہے یا کچھ اور ——— "

ملکۂ ناہید نے جو ہمیشہ نسرین کی اس قسم کی گفتگو سے بہت لطف لیا کرتی تھی، مسکرا کر نسرین کا ہاتھ پکڑا اور بولی۔ "سچ بتا کیا واقعی تجھے یقین ہے کہ اسوقت کی تیری گفتگو سے میرے اندر مرد کی جنس کی طرف کا کوئی خیال عزت پیدا ہوا ہوگا اے میری حسین ناصح میں نے تجھے اس وقت دفتر وعظ و پند کھولنے کے لئے نہیں بلایا تھا۔ بلکہ ایک نہایت اہم امر میں مشورہ کرنے کے لئے، جس نے مجھے کل صبح سے بیتاب بنا رکھا ہے۔ پرسوں رات کو میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور مجھ پر اس کا اتنا گہرا اثر ہوا ہے کہ یا تو اپنے ملک سے چُن کر ایک ایک مرد کو باہر نکال دوں یا خود میں اس سرزمین سے نکل کر دور چلی جاؤں۔ جب تک ایک مرد بھی یہاں سانس لینے والا باقی رہے۔"

نسرین:۔ ملکۂ عالم! آپ کے دشمن اس ملک کو چھوڑیں جس پر حکومت کرنا آپ کا فطری و موروثی حق ہے۔ یہ کمبخت مرد ہی نہ نکل جائیں۔ جنھوں نے اپنی انتہائی بدقسمتی سے آپ کو اپنی طرف سے اس قدر بیزار کر دیا ہے۔ مگر میں سنوں تو سہی کہ وہ کیا خواب ہے۔" یہ کہہ کر نسرین نے اپنی چادر سے ایک شیشہ نکالا اور اس کے اندر سے سنہرے رنگ کی سیال شے جام بلوریں میں بھر کر ملکہ کے سامنے پیش کی ——

ملکۂ ناہید۔ یہ کیا ہے۔ کیا کوئی نئے قسم کا افشردۂ انگور ہے۔ مگر اس میں تو یہ رنگ پیدا نہیں ہو سکتا —؟"

نسرین۔ ملکۂ عالم! یہ ایک خاص قسم کا شربت ہے جس کے مزے میں ہلکی سی تلخی لیکن کیفیت دا ثر میں بڑی شیرینی ہے۔ میں نے نہایت محنت سے اس کو ملکۂ عالم کے لئے

تیار کیا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ آپ اس کو چکھیں تاکہ یہ اضمحلال و افسردگی دور ہو۔"

اس وقت تک ملکۂ ناہید نے کبھی شراب نہیں پی تھی اور نہ شبستان والے اس چیز سے واقف تھے۔ لیکن جب وزراء نے دیکھا کہ ملکۂ ناہید کے جذبات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی تو انھوں نے ملک کے اطباء و حکماء سے مشورہ کیا اور انھوں نے بہت غور کے بعد کہا کہ ایک تدبیر جذبات میں ہیجان پیدا کرنے کی یہ بھی ہے کہ ملکہ کو شراب کا استعمال کرایا جائے۔ چنانچہ مہینوں کی محنت سے اس کو تیار کیا گیا اور نسرین سے کہا گیا کہ وہ ملکہ کے سامنے پیش کرے۔

ملکۂ ناہید۔ (نسرین کی گردن میں ہاتھ ڈالتے ہوئے) "یہ کیا چیز ہے، میری سرگرانی کیوں کم ہوتی جا رہی ہے۔ میرے دماغ کا وزن کیوں ہلکا ہو رہا ہے۔ میں اپنے آپ کو کیوں سبک محسوس کر رہی ہوں۔ میرا جسم کیوں آپ ہی آپ مائلِ پرواز ہے۔ میرے اعضاء کیوں ڈھیلے ہوتے جاتے ہیں —— نسرین، آج تیری آنکھیں کیوں غیر معمولی حسین نظر آ رہی ہیں۔ ہائیں! تیری پتلیوں میں کم کیسا ہے۔ تیری پلکیں اس وقت اس طرح تھر تھرا رہی ہیں۔ جیسے باریک ریشمی جھالر کو ہوا چھو کر گذر جائے۔ مگر یہ فانوس بھی تو تھر تھرا رہے ہیں۔ ریشمی پردوں میں بھی خود ہی تھر تھری پائی جاتی ہے۔ چھت کانپ رہی ہے، ہوا بھی لرز رہی ہے فضا پر رعشہ طاری ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا مجھ سے اس وقت کھیل رہی ہے مسکرا رہی ہے میں اسے چھونا چاہتی ہوں اور وہ ہنس کر پیچھے ہٹ رہی ہے مسکرا رہی ہے (پہلے زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے پھر انتہائی سنجیدگی سے) یہ فضا کی ہر چیز پر ہلکا سا نقاب کیوں پڑا ہوا نظر آتا ہے کیا ساری دنیا کے

نقوش اسی طرح ہلکے ہوتے ہوتے مٹ جائیں گے، یہ کوئی بیداری کا خواب ہے یا میرا دہم کوئی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے ——— لا، اور دے (نسرین کا منہ چومتے ہوئے) میری اچھی نسرین! یہ شیشہ مجھے دیدے۔ میں اسکو ختم کر کے دیکھوں گی کہ اس کی کیفیت کی انتہا کیا ہو سکتی ہے۔"

نسرین ۔ نہیں ملکۂ عالم! اس سے زیادہ مناسب نہیں، اور ہاں یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ وہ خواب کیا تھا، جس نے دشمنوں کی جان کو اس قدر صدمہ پہنچایا

ناہید ۔ (پیشانی پر ہلکی سی شکنیں ڈالتے ہوئے) نہیں اس وقت مجھ سے کوئی بات ایسی نہ کر جس کا جواب دینے کے لئے مجھے پوری طرح برہم ہو جانا چاہیئے علاوہ اس کے اب اس کا نقش یوں بھی کچھ ہلکا معلوم ہو رہا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کئی سال اس خواب پر گذر چکے ہیں۔ اس وقت مجھے ہر چیز دور نظر آرہی ہے۔ یہ شمعدان، یہ گلدان، یہ دروازوں کے پردے یہ دیواروں کے نقش و نگار۔ الغرض ہر چیز مجھ سے دور ہٹی ہوئی معلوم ہوتی ہے میں اسے پکڑتی ہوں۔ لیکن وہ میرے ہاتھ سے اس طرح نکلی جا رہی ہے۔ جیسے مٹھی کے اندر سے ریت (نسرین کے ہاتھ سے شیشہ زبردستی لے لیتی ہے اور ایک جام خالی کرنے کے بعد دفعتاً اُٹھ بیٹھتی ہے) ۔ نسرین! یہ کیا تماشہ ہے، میں تو خشکی پر تیرتی ہوئی سی معلوم ہوتی ہوں۔ فرش پر پاؤں رکھنے کے کچھ دیر بعد پتہ چلتا ہے کہ میرے قدم کسی چیز کو چھو رہے ہیں۔ کیا میری حس باطل ہوئی جاتی ہے۔ لیکن کس قدر دلکش بے حسی ہے، کتنی پیاری بدحواسی ہے۔ یہ مجھے آج معلوم ہوا کہ عقل و ہوش کوئی بڑی عمدہ چیز نہیں، اور اپنے آپ کو کھو دینا بڑی لذت

ہے ـــــــ یہ گانے کی آوازیں کہاں سے آرہی ہیں، یہ سرود و رباب کون بجا رہا ہے ـــــــ محل سے اتنی دور کہاں جشن طرب برپا ہے ـــــــ ان کو بلاؤ، یہاں قریب بلاؤ ـــــــ میں بھی گاؤں گی، رقص کروں گی، اور ان کے سازوں پر کچھ ایسا نغمہ چھیڑوں گی جو اس سے قبل میں نے کبھی نہیں گایا ـــــــ"

یہ کہہ کر ملکۂ ناہید پھر لڑکھڑائی۔ نسرین نے مسکراتے ہوئے اسے اپنی آغوش میں سنبھالا اور اس طرح پہلا درسِ محبت ختم ہو گیا۔

(۲)

صبح کا وقت ہے اور آفتاب کی کرنیں دریچوں کے نیلگوں ریشمی پردوں سے گذر کر ملکۂ ناہید کی خوابگاہ میں پھیل رہی ہیں۔

ملکہ جو رات خلاف معمول زیادہ دیر تک جاگی تھی ابھی تک ریشمی تکیوں، ریشمی چادروں اور سنہری کے نرم گدوں کے اندر پڑی ہوئی اس طرح بےخبر سو رہی ہے، جیسے تیتری تیتری بن کر اڑنے سے قبل اپنے خانۂ ابریشم میں آسودہ رہتی ہے، چہرہ کھلا ہوا، بال منتشر ہیں اور چادر سرک جانے سے اس کے جسم کا نصف حصہ کمر تک بالکل بے حجاب نظر آرہا ہے۔

کنیزیں جو صبح کی خدمت کے لئے مامور ہیں ایک کونے میں کھڑی ہوئی خاموشی سے منتظر ہیں کہ ملکہ انگڑائی لے اور وہ دوڑ کر پاس پہنچ جائیں۔

پہلی۔۔ دیکھو اس وقت ملکہ کیسی بے حس و حرکت پڑی ہوئی ہے اور کس قدر

تنہا ہے۔ جیسے کوئی سنگتراش ابھی ابھی اس مرمریں بُت کو بنا کر فارغ ہوا ہو۔ یا کوئی افسوں پھونک کر چلا گیا ہو۔"

دوسری :۔ "آہ! عورت کی تنہائی بھی ایک راز ہے جس کو مرد نے ہمیشہ سمجھنا چاہا اور ہمیشہ غلطی کی۔"

تیسری :۔ "ہاں! مرد غلطی سے سمجھتا ہے کہ عورت کی تنہائی اس کا سوگ ہے جسے وہ صرف محبت سے دور کر سکتا ہے۔ دراں حالیکہ ......"

پہلی :۔ "دیکھو ملکہ کی گردن کیسی خوبصورت ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھی دانت میں ہلکا سا رنگ شہاب ملا کر کسی نے سانچے میں ڈھالا ہو اور اس سانچے کو توڑ کر پھینک دیا ہو اور نرمی دیکھو جیسے کیلے کی کونپل۔"

دوسری :۔ "میری رائے میں ملکہ اگر مرد سے انتقام لینا چاہتی ہے تو اس کی بہتر ترکیب نفرت کا اعلان نہیں۔ بلکہ اس کو مبتلائے محبت ہونے کی اجازت دے کر تباہ کرنا ہے۔"

تیسری :۔ "ہاں! محبت کر کے جان لینا، ایک قسم کا زہر ہے جو دیر میں اثر کرتا ہے لیکن اس کی ہلاکت یقینی اور ناقابلِ علاج ہوتی ہے۔"

پہلی :۔ "دیکھو تو سہی سونے کی حالت میں ملکہ کی آنکھیں کس قدر بڑی معلوم ہوتی ہیں۔ اور یہ لانبی گھنی پلکیں تو دیکھو جیسے سیاہ ریشم کے باریک و نرم ریشے کسی نے سلیقہ سے جما دئے ہوں۔"

دوسری :۔ "میں سچ کہتی ہوں کہ یہ طلسم کسی نہ کسی دن ضرور ٹوٹ کر رہے گا۔"

تیسری :۔ "اور یاد رکھو کہ اگر واقعی کبھی کسی شخص سے ملکہ محبت کرنے لگی تو روز رو کر

دریا بہا دے گی۔"

پہلی۔ "اُف یہ بالوں کے چھلّے تو دیکھو کس طرح پیشانی اور شانہ و دوش پر آسودگی کے ساتھ پڑے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں مردانہ روح پنہاں ہیں، جو ملکہ کے جسم کے مختلف حصوں کو جھوم جھوم کر مست ہو رہی ہیں۔ آہ! یہ قلب کی حرکت سے سینہ کے نشیب و فراز میں مسلسل جنبش، ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کسی کو چھونے کی دعوت دی جارہی ہے۔"

دوسری۔ (پہلی کی طرف حیرت سے دیکھ کر) "تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ ہمارے دل میں تو یہ خیال کبھی نہیں آتے، نہ ایسے جملے ہماری زبان سے ادا ہو سکتے ہیں، تمھارے جذبات تو بالکل مردوں کے سے ہیں۔ اول اول بار جب مجھ سے گفتگو کی محبت کی گئی تھی تو اس میں بھی یہی گرمی تھی، اسی قسم کی شیفتگی تھی۔ تمھارا امکان کہاں ہے، وزیر اعظم نے تمھاری سفارش کر کے آج تمھیں ملکہ کی کنیزوں میں تو شامل کر دیا۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ اس قسم کی باتیں اگر کبھی ملکہ نے سن لیں تو آفت برپا ہو جائیگی۔"

تیسری۔ "اس میں شک نہیں کہ تم، ہم سب میں بہت تندرست و توانا ہو لیکن آخر کار ہو تو عورت ہی۔ کیا تمھارے شہر میں عورتوں کو مرد بننے کی تعلیم دی جاتی ہے؟"

پہلی۔ معاف کرنا، میں ابھی یہاں کی تہذیب سے پوری طرح واقف نہیں۔ ہمارے ملک میں عورتیں مردوں ہی کے ساتھ تعلیم پاتی ہیں اس لئے وہ مردوں ہی کی طرح سوچتی ہیں۔ مردوں ہی کی طرح بولتی ہیں اور مردوں ہی کی طرح اپنی زندگی بسر کرتی ہیں۔"

دوسری۔ "اور مرد؟"

تیسری :- "وہ یقیناً عورتوں کی طرح ہو جاتے ہیں۔"
پہلی :- (ہنس کر) بالکل تو نہیں، لیکن ایک حد تک یہ کیفیت تو ضرور پیدا ہو چلی ہے اور۔"
دوسری :- "خاموش! وہ دیکھو ملکہ نے کروٹ لی۔"

یہ دیکھ کر تینوں آہستہ آہستہ آگے بڑھیں اور پائنتی بیٹھ کر دوسری اور تیسری کنیز نے ملکہ کے تلوے سہلانے شروع کئے لیکن پہلی بدستور اسی طرح ملکہ کی صورت کو تکتی رہی۔

ملکہ نے انگڑائی لیتے ہوئے آنکھیں کھول دیں اور سامنے پہلی کنیز کو دیکھ کر پوچھا: "تو وہی ہے جسے کل رات میں نے دیکھا تھا۔ وزیر نے تیری بڑی تعریف کی ہے اور میری حفاظت کے لئے تجھے میرے پاس رہنے کا حکم دیا ہے۔ تجھے معلوم ہے میری حفاظت کے کیا معنی ہیں۔؟"

کنیز :- (سر جھکا کر) "ملکۂ عالم! ہمارے ملک میں حفاظت کے معنی صرف ایک ہی ہوا کرتے ہیں۔"
ملکہ :- "وہ کیا — ؟"
کنیز :- "آقا کے لئے اپنی جان دے دینا۔"
ملکہ :- (خوش ہو کر) "بالکل ٹھیک، لیکن صرف تمہارا جان دیدینا تو میری حفاظت نہیں، یوں کہو مقابلہ کرنا اور مر جانا۔"
کنیز :- "بجا ارشاد ہوا ملکۂ عالم! یہی میرا مقصود تھا۔"
ملکہ :- (ہنستے ہوئے) "اچھا فرض کرو اس وقت میرے سامنے کوئی مرد آجائے اور مجھ سے محبت کرے تو تم کیا کرو گی؟"

کنیز: "ملکۂ عالم! میں ہٹ جاؤں گی تاکہ وہ آپ سے تنہائی میں آزادی سے باتیں کر سکے۔"

ملکہ یہ سن کر ہنسی سے بیتاب ہو گئی اور دیر تک ہنستے رہنے کے بعد بولی کہ۔
"اے بیوقوف کیا تجھے یہ نہیں معلوم کہ مجھے مرد کی جنس سے نفرت ہے اور کسی مرد کا مجھ سے اظہارِ محبت کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ قتل کے بعد بھی میں اپنے جذبہ انتقام کو آسودہ نہیں دیکھتی۔"

کنیز: "ملکۂ عالم! مجھے اس کا علم نہ تھا۔ دست بستہ معافی چاہتی ہوں۔ اب مجھے معلوم ہو گیا کہ میرے صحیح فرائض کیا ہیں اور اگر خدانخواستہ کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ بدنصیب و نامراد مرد نے ملکہ سے اظہارِ محبت کیا تو پھر اس کا سینہ ہو گا اور یہ میرا نیمچہ (یہ کہہ کر اس نے چمکتا ہوا نیمچہ اپنی کمر سے نکالا اور سر جھکا کر ملکہ کے سامنے کھڑی ہو گئی)۔

ملکہ: "کیا تو فنون سپہ گری سے واقف ہے؟"

کنیز: "اب ہمارے ملک میں عورت مرد سے زیادہ فنون سپہ گری کی ماہر ہوتی ہے۔"

ملکہ: "کیوں؟"

کنیز: "اس لئے کہ اب اس کی آنکھوں میں وہ افسوں باقی نہیں رہا جو مردوں سے تابِ مقاومت چھین لیتا ہے اور اسی منظر سے گھبرا کر میں یہاں آئی تھی لیکن میں بھی کیسی بدنصیب ہوں کہ یہاں ایک ملکہ کو بھی اس لحاظ سے بالکل بے دست و پا پاتی ہوں اور یہاں بھی مجھے مردوں کے خلاف وہی حربہ استعمال کرنا ضروری ہو گیا ہے جسے اپنی نسائیت ایسی عزیز چیز کھونے کے بعد محض حالات سے مجبور ہو کر میں نے اختیار کیا تھا۔ ہمارے یہاں اب سے

قبل یہ دستور تھا کہ کوئی مرد کسی عورت سے یوں آزادانہ نہیں مل سکتا تھا اور ان دونوں جنسوں کے درمیان ایک حدِ فاصل قائم تھی جس کا نام "نسوانی غیرت و حیا" تھا۔ اس وقت عورت عبادت تھی۔ ایک شاہانہ استغنا سے، ایک ملکوتی پاکیزگی سے۔ ایسے معصوم اچھوتے پن سے جو قدیم عہد روما و یونان کی حسین دیویوں میں پایا جاتا تھا۔ مرد کا کام محبت کرنا تھا اور عورت کا اس محبت کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ لینا ــــــ عورت حکمراں تھی اور مرد محکوم۔ عورت غالب تھی اور مرد مغلوب، لیکن یہ حکومت جسم پر نہیں دلوں پر قائم تھی اور یہ غلبہ اعضائے ظاہری سے نہیں بلکہ روح سے متعلق تھا جب تک عورت نے خود اپنی نسائیت، ــــــ اپنی نزاکت اور اپنی لطافت و پاکیزگی کا احترام قائم رکھا، وہ ایک ملکہ، ایک دیوی کی طرح زندگی بسر کرتی رہی۔ لیکن جب اس کے نازک ہاتھوں نے پھاؤڑا لے کر خود زمین کھودنا شروع کی۔ جب اس نے مرد کے دوش بدوش دنیا میں دوندہ قوتوں کا مقابلہ خود شروع کر دیا تو مرد اپنے اندر کچھ تھکن سی محسوس کرنے لگا۔ کیونکہ شام کے وقت عورت کا وہ تبسم جو مرد کی دن بھر کی محنت کا صلہ ہوا کرتا تھا مفقود ہونے لگا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ عورت کی طرف سے مرد بھی کھنچنے لگا۔ اور جب عورت مرد کی طرح دنیا میں بالکل مزدور ہو کر رہ گئی تو وہی اطوار و خصائل اس کو بھی اختیار کرنا پڑے جو محنت کی دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے مرد کو اختیار کرنا پڑتے ہیں اور آخرکار اس کشمکش نے سچی محبت و الفت کو بالکل محو کر دیا اور عورت مرد

جدا ہو کر بالکل اسی طرح آزاد ہو گئی جیسے زمین کا ایک حصہ اس سے جُدا ہو کر اب چاند کہلاتا ہے۔ لیکن چاند تو خیر جدا ہونے کے بعد بھی زمین کا طواف کر رہا ہے۔ مگر عورت کی حالت تو اس سیارے کی سی ہے جو فضا کی وسعت میں گم ہو رہا ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ پھر کبھی نظر آئے گا یا نہیں۔

اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہاں بھی مرد و عورت میں یہی جنگ قائم ہے تو میں کیوں آتی۔ اے ملکہ عالم سچ بتلائیے کیا واقعی یہاں کی عورت بھی محنت کرنا بھول گئی ہے اور کیا یہاں کے مرد کا بھی مستقبل ریگستان کی طرح سنسان ہے"

ملکہ ناہید جس کے سامنے اس وقت تک کسی کو اس موضوع پر گفتگو کرنے کی جرأت نہ ہوئی تھی، حیرت سے کنیز کا منہ دیکھ رہی تھی اور اس کا جی چاہتا تھا کہ کچھ دیر اور وہ ایسی ہی باتیں کرتی رہے ——— اٹھ کر بیٹھ گئی اور باقی کنیزوں کو رخصت کرنے کے بعد جب تنہا ہو گئی تو اس نے اس کو اپنے پاس بلایا اور بولی کہ :۔

" اے حسین نو وارد! ادھر آ، مجھ سے قریب ہو کر باتیں کر۔ تو بہت ذہین ہے۔ نہایت جری ہے اور اسی کے ساتھ میں دیکھتی ہوں کہ تیرے اندر کچھ ایسی عقل و فراست ہے جو ہمارے ملک میں مردوں ہی کے لئے مخصوص سمجھی جاتی ہے۔ اگر ہمارے ملک میں تجھ ایسی عورتیں پیدا ہونے لگیں تو میں چُن چُن کر ایک ایک مرد کو اپنی حکومت سے نکال دوں اور تمام نظم و نسق عورتوں ہی کے سپرد کر دوں۔ ہاں، ادھر آ، میں زیادہ نزدیک سے تیرا چہرہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ میرے پاس بیٹھ کر گفتگو کر۔ تیری آواز میں ہر چند وہ نرمی اور لوچ نہیں ہے جو عورت کی آواز میں ہوا کرتا ہے۔ لیکن

اس کا درزن بھی مجھے بھلا معلوم ہوتا ہے۔ گو میں تجھ سے موسیقی کی خدمت نہ لے سکوں گی۔ لیکن تیری آواز کے ذریعہ سے میں ایک شاہانہ و مردانہ حکم تو لوگوں کو دے سکوں گی ـــــ اور قریب آ۔ میری خدمت میں شاہانہ آداب کی ضرورت نہیں، یہاں ہم اور تم دونوں عورت ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں زیادہ بے بس ہوں اور تو بڑی حد تک آزاد ـــــ پھر بتا تو میری کیا مدد کر سکتی ہے ـــــ سارے ملک میں میرے حسن و جمال کی شہرت نے مردوں کو دیوانہ سا بنا رکھا ہے۔ اور چونکہ یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ آئین حکومت کے لحاظ سے مجھے کسی نہ کسی مرد کو اپنا شریک زندگی بنانا ضروری ہے اس لئے طبقہ امرار کا ہر نوجوان اس آرزو کو اپنے دل میں لئے ہوئے ہے اور روزانہ مجلس وزرار مجھے مجبور کرتی ہے کہ جلد سے جلد کوئی انتخاب کر لوں ورنہ ملک میں بغاوت ہونے کا اندیشہ ہے۔ پھر چونکہ اس سلسلے میں بعض مردوں کو میرے حکم سے سزائے قتل بھی مل چکی ہے۔ اس لئے میرے خلاف برہمی بڑھتی جا رہی ہے اور حیران ہوں کہ کیونکر اپنے دل کو اس طرف مائل کر دوں اور کس طرح اس ذلت کو برداشت کر سکوں ـــــ دنیا مجھے حسین سمجھتی ہے۔ حالانکہ میں اپنے اندر کوئی غیر معمولی بات نہیں پاتی، آئینہ دیکھتی ہوں اور گھنٹوں حیران رہتی ہوں کہ مجھ میں آخر وہ کونسی خصوصیت ہے جس کے لئے دنیا پاگل ہو رہی ہے۔ یقیناً یہ دیوانگی میرے لئے نہیں ہے۔ بلکہ صرف امارت و سلطنت کے لئے ہے۔ تخت و تاج کے لئے ہے۔ مرد کی خود غرضی تاریخ کا نیا واقعہ نہیں اور اس نے جو جو مظالم عورت پر کئے ہیں وہ

ایسے عنہیں کہ عورت انھیں آسانی سے فراموش کر دے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان کا انتقام نہ لیا جائے اور وہ انتقام میرے اور میری ہی سلطنت کے ذریعہ سے نہ ہو ——— آہ، مجھے جس قدر اپنی کمزوریوں کا احساس ہوتا جاتا ہے۔ میری تکلیف بڑھتی جاتی ہے اور میں دیکھتی ہوں کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جب مجھے ملک کے اس بڑھتے ہوئے ہیجان کے سامنے اعتراف شکست کرنا پڑے گا۔ خواہ وہ اعتراف کسی ظالم مرد کو اپنے اوپر مسلط کر دینے کی صورت میں ہو یا تخت و تاج چھوڑ کر ملک سے باہر نکل جانے کی شکل میں ———"

کنیز۔ "ملکۂ عالم! خدا نہ کرے وہ وقت آئے، جب صورتِ حال اتنی نازک ہو، مجھے سوچنے کا موقعہ دیا جائے، ممکن ہے میں کوئی صورت بہتر پیدا کر سکوں۔"

ملکہ امید کی جھلک پا کر بے اختیارانہ اٹھ کھڑی ہو گئی اور کنیز کا ہاتھ پکڑ کر اسکے چہرے کو غور سے دیکھنے کے بعد دفعتاً ہٹ گئی اور بولی۔

"یہ تیری آنکھوں میں وہ کونسی چیز ہے جو مجھے مسحور کرنا چاہتی ہے۔ دنیا ان آنکھوں کے لئے کیوں نہیں تڑپتی ——— کتنی خوبصورت آنکھیں ہیں، پتلی کتنی سیاہ ہے۔ پلکیں کیسی لانبی اور نوکدار ہیں، ان آنکھوں سے بجلی کی رو باہر نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، کیا تو نے شراب پی ہے اور اتنی کہ آنکھوں سے اُبلی پڑ رہی ہے۔ میں نے بھی چند دن سے اس کا استعمال شروع کیا ہے۔ لیکن نہ میرے ہاتھ اتنے گرم ہوتے ہیں۔ نہ آنکھوں میں یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اپنے ہاتھ میں میری کلائی لے کر دیکھ۔

کتنا فرق ہے (گھبرا کر) یہ تو کانپ کیوں رہی ہے۔ یہ تیرے جسم پر لرزہ کیوں طاری ہے (ہنستے ہوئے) اچھا میرے ساتھ چل، آج حمام میں تیرے ہی ہاتھ سے غسل کروں گی۔"

یہ سن کر کنیز دور ہٹ گئی اور بولی کہ:۔

"ملکۂ عالم! مجھ سے جو خدمت جی میں آئے لیجئے لیکن حمام نہ لیجائیے کیونکہ میں آداب شاہی سے بالکل ناواقف ہوں اور یوں بھی میرے ہاتھ زیادہ سخت دکرخت ہیں جن سے ملکہ کے پھول ایسے جسم کو ضرر پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔"

ملکہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا:۔

"مجھے آج جسم میں خراش ہی پیدا کرنا ہے۔ آج جی یہی چاہتا ہے۔ کیا تو میرا حکم نہ مانے گی۔"

یہ کہہ کر ملکہ حمام کی طرف جانے ہی والی تھی کہ نسرین گھبرائی ہوئی آئی اور بولی کہ ایک نہایت ہی ضروری امر میں ملکہ کا مشورہ حاصل کرنا ہے ـــــ ملکہ جو آجکل معمولی سی بات میں گھبرا جاتی تھی۔ نسرین کی طرف مخاطب ہوگئی اور کنیز رخصت کر دی گئی۔

(۳)

پھولوں سے لدی ہوئی مسہری پر ملکۂ ناہید منہ پر ہلکی نقاب ڈالے ہوئے پڑی ہوئی کچھ سوچ رہی ہے۔ خاموش ہے، خوابگاہ میں سوائے اس نو دار د کنیز کے جو پائیں میں بیٹھی ہوئی ملکہ کا منہ تک رہی ہے اور کوئی موجود نہیں، دفعتہً ملکہ ایک ٹھنڈی

سانس لیتی ہوئی بولی: "نوبہار! کیا سوچ رہی ہے، اور کیا دیکھ رہی ہے؟"

"کچھ نہیں ملکۂ عالم! یہ دیکھ رہی ہوں کہ مسہری کے پھولوں میں ایک ——— گلاب کا پھول کیسا پیارا، کیسا شگفتہ اور کس قدر حسین ہے"

ملکہ نے چہرے سے نقاب ہٹا کر پوچھا "کہاں ہے؟"

"یوں نہیں ملکۂ عالم! آپ پھر چہرے پر نقاب ڈال لیجئے، تو بتاؤں کہ وہ ——— کہاں ہے"

ملکہ نقاب سے چہرہ چھپاتے ہوئے ——— "ہاں بتا کہاں ہے!"

نوبہار: "مسہری کے اس کنارے پر میری دسترس سے دور ایک گلاب کا پھول ہے اور نقاب کے اندر ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے کسی نے آنچل میں اسے باندھ لیا ہو"

ملکہ ——— "شریر ——— میں سمجھی، اچھا اور کیا سوچ رہی ہے"

نوبہار: "اور سوچ رہی ہوں کہ سنسان جنگل کی جھاڑیوں میں جب صبح کو کلیاں کھلتی ہیں شبنم کے قطرے پھولوں کی پنکھڑیوں پر جگمگاتے ہیں، تو وہاں اُن کا دیکھنے والا کون ہوتا ہے اور قدرت کا حسن کی اس رائگاں آفرینش سے کیا مدعا ہے"

ملکہ ——— بے وقوف ——— "اچھا اور کچھ؟"

نوبہار ——— "اور ہاں یہ سوچ رہی ہوں کہ آج کی رات بھی ملکہ عالم مجھے پائیں میں سونے کا حکم دیں گی، اور پھر میں اس ڈر سے ساری رات جاگتی رہوں گی کہ کہیں میرے لب ملکہ کے تلوؤں سے نہ چھو جائیں"

ملکہ: "نہیں، آج میں بجائے پائیں کے تجھے اپنے پہلو میں جگہ دوں گی، اور رات

[illegible] السا لطف محسوس کر

ہوں جیسے برفباری کے وقت شعلہ کی گرمی، اور جب تو نہیں ہوتی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا دل کسی کھوئی ہوئی چیز کو ڈھونڈ رہا ہے۔ آہ اِدھر آ، میرے پہلو میں میرے جسم سے اپنے جسم کو ملا کر لیٹ جا۔"

نوبہار۔" ملکۂ عالم! میں پہلے بھی عرض کر چکی ہوں کہ میں یہ کبھی نہیں کر سکتی۔ وہ جو ملکہ کے قدموں تک پہنچنے کے خیال سے کانپنے لگے، اس کا کیا حال ہوگا، اگر اس کا جسم ملکہ کے جسم سے مس ہو جائے۔"

یہ سُن کر ملکہ دفعتاً اُٹھ بیٹھی اور بولی کہ " نوبہار! نہیں آج میں نہ مانونگی، تیرا کوئی عذر نہ سُنوں گی۔ میں نے تجھے کنیزوں کے حلقہ سے نکال کر مشیرانِ خصوصی کے زمرہ میں اسی لئے شامل کیا ہے کہ تیرے دل سے کنیز ہونے کا بار ہلکا ہو جائے اور تو ایک معزز خاتون کی حیثیت سے میری جلوت و خلوت میں میرے جسم و روح دونوں کی شریک ہو سکے، لیکن تیری تہذیب تو میرے لئے ایک عذاب ہو کر رہ گئی ہے۔ ایک آہنی دیوار ہے جو مجھے تجھ سے ملنے ہی نہیں دیتی۔"

نوبہار۔" ملکۂ عالم کی ان شاہانہ عنایات کا شکریہ ادا کرنا حقیقتاً میرے امکان سے باہر ہے۔ اور میں واقف ہوں کہ ملکہ نے میرے مرتبہ کو استحقاق سے بہت بلند کر کے کس طرح ایک ذرّے کو دفعتاً آفتاب بنا دیا۔ لیکن باوصف اس کے جب ملکہ مجھے اپنے نرم و نازک جسم چھونے کا حکم دیتی ہے تو میں ایسا محسوس کرتی ہوں کہ میرا دل، میری روح اور میرے جسم کا تمام خون اس سرانگشت کو توڑ کر باہر نکل جانا چاہتا ہے جسے ملکہ کے معطر جسم کے چھونے کا فخر حاصل ہونے والا ہے، اس وقت میرے اعصاب، میرے ہاتھ کی رگیں اور میری قوت گرفت سب میرے اختیار سے باہر ہوتی

ہے۔ اور اس ہیجان کو ضبط کرتے وقت میری وہی حالت ہوتی ہے جیسے دفعتاً کسی کی گردن پر چھری پھیر دی جائے۔ اور بھیانک آواز کے ساتھ خون کا فوارہ اس کے حلقوم سے بلند ہو۔ اے ملکہ عالم میں نہیں کہہ سکتی کہ ایسا کیوں ہے۔ لیکن اگر جان بخشی ہو تو عرض کروں کہ ملکہ کے حضور میں اپنی نسائیت بالکل کھو دیتی ہوں۔ اور میں اپنے اندر کچھ ایسے مردانہ جذبات پیدا ہوتے دیکھتی ہوں جن کے اظہار کی مجھ میں جرأت نہیں۔ اور......

"مردانہ جذبات! میں نہیں سمجھی۔ کس قدر عجیب بات ہے، ایک عورت میں مردانہ جذبات؟ صاف صاف کہہ، یہ مردانہ جذبات کیسے ہوتے ہیں۔ میں سننا چاہتی ہوں کہ وہ کیا کیفیت ہے جو صرف مردوں سے مخصوص سمجھی جاتی ہے۔ لیکن ہاں تو نے ایک عورت ہو کر یہ کیسے معلوم کیا کہ وہ جذبات مردانہ ہیں؟ مردانہ! مردانہ!! اُف کس قدر مکروہ کیسا قابلِ نفرت لفظ ہے (چین بجبیں ہو کر) اے نوبہار! یہ تو نے کیا کہا؟ میری خلوت میں یہ کس نامبارک چیز کا ذکر کیا (نوبہار کی دونوں کلائیاں اپنے ہاتھ میں پکڑ کر) بتا جلد بتا، وہ کیا کیفیت ہے۔ جسے تو اس نابکار جنس سے منسوب کرتی ہے۔ میں بھی......"

ملکہ کے ہاتھوں کی گرفت دفعتاً ڈھیلی پڑ جاتی ہے، لہجے کی خشونت نرمی میں تبدیل ہونے لگتی ہے اور کچھ خوفزدہ سی ہو کر پھر مسہری پر منہ ڈھانک کر پڑ جاتی ہے پندرہ منٹ تک دونوں جانب سکوت طاری رہتا ہے۔ اور پھر ملکہ نوبہار کو کو مخاطب کر کے کہتی ہے:۔

نہیں، میں نہیں سننا چاہتی، اپنے سوال کا جواب تجھ سے نہیں چاہتی۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ واقعی تیرے جسم میں وہ خون نہیں ہے۔ جو عام عورتوں میں پایا جاتا

ہے۔ میں خود تیرے جسم کو چھو کر کپکپی محسوس کرنے لگتی ہوں، ایک خاص قسم کی گرم رو میری جلد کے اندر سے ہو کر قلب تک دوڑنے لگتی ہے۔ خیر ہو گا۔ اب تو مجھے کہانی سُنا۔ لیکن اِس زمانے کی نہیں بلکہ اس قدیم عہد کی، جب ایک بادشاہ نے اپنے شہزادے کو وزیر زادے کی معیت میں شکار کی اجازت دیتے ہوئے نصیحت کیا کرتا تھا کہ فلاں جنگل میں پہنچکر داہنے ہاتھ کا راستہ نہ اختیار کرنا۔ لیکن وہ نہیں مانتا اور جب آگے بڑھ کر دریا میں اسے لعل بہتے ہوئے ملتے ہیں تو وہ ان کا پتہ چلاتے ہوئے کسی باغ میں پہنچتا ہے۔ جہاں ہر شخص پتھر کا ہوتا ہے اور پھر وہ محل کے اندر پہنچکر کسی شہزادی کا کٹا ہوا سر چھت سے معلق پاتا ہے، جس سے خون کے قطرے نیچے پانی میں ٹپک ٹپک کر لعل بن جاتے ہیں اور بہہ بہہ کر دریا میں چلے جاتے ہیں۔

نوبہار:" لیکن ملکۂ عالم! ان کہانیوں میں ایک بڑی خرابی ہے اور وہ یہ کہ ہمیشہ شہزادہ ہی دیو سے جنگ کر کے اس شہزادی کو آزادی دلاتا تھا اور پھر اس سے شادی کر کے خوش و خرم اپنے گھر واپس آتا تھا۔"

ملکہ:" ہاں! یہ تو ہے۔ اس وقت بھی جب میں بہت چھوٹی تھی اور میری دایہ اس قسم کی کہانیاں سنایا کرتی تھی تو میں اس سے لڑا کرتی تھی کہ نہیں ان کہانیوں کا آخری حصہ جھوٹ ہے شاہزادی نے اس سے شادی کبھی نہ کی ہوگی، بلکہ صاف جواب دے دیا ہوگا۔ یہ کہانیاں مردوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ ورنہ کیا شکار کے لئے باہر نکل کر کبھی کوئی شہزادی داہنے ہاتھ کا راستہ اختیار نہ کر سکتی تھی، کہ وہ کسی شہزادے کو مصیبت سے نجات دلائے اور پھر جب وہ شاہزادی سے شادی کی درخواست کرے تو یہ برہم ہو کر چلی آئے، اچھا اسے جانے دو۔ کوئی اور کہانی سہی۔"

نوبہار :۔ اجازت ہو تو میں خود اپنی زندگی کا ایک واقعہ سناؤں، لیکن اس میں بھی مرد کا ذکر ضرور آئے گا۔ کیونکہ دنیا کی کوئی بات اس وقت تک مکمل ہوتی ہی نہیں جبتک مرد و عورت دونوں نے مل کر اس واقعہ کو نہ بنایا ہو۔"

ملکہ :۔ "اگر کوئی ایسا واقعہ تیری زندگی کا ہے تو سنا۔ میں اُسے سنوں گی۔ لیکن اگر مجھے اس درمیان میں نیند آجائے تو تو چلی نہ جانا، یہیں سو رہنا۔"

نوبہار :۔ ملکۂ عالم! اس وقت میری عمر ۲۲ سال کی ہے۔ اب سے ۵ سال قبل کی بات ہے۔ کہ میرے محلے میں ایک نووارد شخص آکر رہا۔ اس کی عمر بھی تقریباً وہی تھی جو میری یہ اپنے پیشے کے لحاظ سے ایک نقاش تھا لیکن اپنی صورت کے اعتبار سے وہ خود قدرت کا ایک بہترین نقش تھا۔ ہمارا قصبہ چونکہ مناظر فطرت کی وجہ سے بہت مشہور ہے اس لئے وہ وہاں کے نقوش لینے آیا تھا اور کم از کم چھ ماہ اسے ٹھہرنا تھا۔ چونکہ میرے والدین کو بھی اس فن سے خاص لگاؤ تھا اس لئے آپس میں بہت جلد مراسم پیدا ہو گئے اور اس کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔

وہ بات بہت کم کرتا تھا۔ لیکن جو بات کرتا تھا ایک شاعر کی طرح اس کے دل سے نکلی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ جب وہ میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتا تو اس کی آنکھیں مجھے ایسی نظر آتیں جیسے کوئی عمیق سمندر ہے جس کی گہرائی میں میں ڈوبتی چلی جا رہی ہوں ——"

ملکہ۔ (بات کاٹ کر) بالکل صحیح یہی کیفیت تیری نگاہوں کے سامنے میری ہو جاتی ہے۔ لیکن مجھے اس وقت تک یہ الفاظ اس کیفیت کے ظاہر کرنے کے لئے نہ ملے تھے میں زیادہ سے زیادہ شعلہ کی گرمی سے شمع کا پگھلنا کہہ سکتی تھی۔ اچھا پھر کیا ہوا؟

نوبہار:۔ دن گذرتے گئے۔ معلوم نہیں کتنی شامیں میں نے اس سے بچ بچ کر اسی طرح گذار دیں۔ ایک صبح وہ میرے مکان پر آیا۔ اس کا چہرہ غیر معمولی طور پر مسرور لیکن بہت سنجیدہ نظر آتا تھا۔ میرے والدین کسی تقریب سے دوسری جگہ گئے ہوئے تھے۔ میں گھر میں تنہا تھی۔ اس نے آتے ہی مجھے سلام کیا اور ایک ایسی نگاہ سے جس میں حزن و ملال کے ساتھ خاص قسم کا جذباتی جوش بھی پنہاں تھا۔"

ملکہ۔ "یہ جذباتی جوش" کیا چیز ہوتی ہے۔"

نوبہار:۔ ملکہ عالم! میں اب آپ کو کس طرح بتاؤں کہ میں نے کس کیفیت کا اظہار ان الفاظ سے کیا ہے، یوں سمجھئے کہ اس کی نگاہوں میں کوئی ایسی کیفیت تھی، جیسے کوئی کچھ کہنا چاہتا ہو، کوئی پیام پہنچانا چاہتا ہو، اگر بغیر الفاظ کی مدد کے کوئی گفتگو ہوسکتی ہے تو اس کی نگاہیں یہی گفتگو کر رہی تھیں۔ اور اگر بغیر سامعہ کی مدد کے کوئی بات سُنی جاسکتی ہے تو ملکۂ عالم کو باور کرنا چاہیئے کہ میں وہ بات سن رہی تھی،

ملکہ:۔ "وہ کیا بات تھی؟"

نوبہار:۔ کیا عرض کروں وہ کیا بات تھی، بات کیا تھی ایک کیفیت تھی بدن میں سنسنی کی دماغ میں نشے کی۔ خون میں سرعتِ دوران کی۔ روح میں بالیدگی اور احساس میں اس شگفتگی کی جو صبح نسیم کے چھو جانے کے بعد کلی میں پیدا ہونے لگتی ہے۔ اُسکی ہر نگاہ مجھ پر وہ اثر کر رہی تھی جو شعاعِ آفتاب کسی پارۂ یخ پر کر سکتی ہے۔ اس نے دیر تک مجھے دیکھتے رہنے کے بعد کہا کہ "آج میں رخصت ہونے آیا ہوں" میں جو کبھی اس کے سامنے آزادی سے بات نہ کر سکتی تھی۔ یہ سن کر دفعتاً گھبرا گئی اور بولی "ابھی سے؟" وہ یہ سن کر مسکرایا اور میں شرما گئی۔

وہ دیر تک خاموشی سے ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھتا رہا۔ میں ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے کوئی ساحل پر بے خبر کھڑا ہو اور دفعتاً سیلاب آکر اس کو بہالے جائے۔ اس نے مجھ سے قریب آکر میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے میرے اعضاء کی جان کسی نے نکال لی ہے"۔

ملکہ یہ سنتے ہی اٹھ بیٹھی اور اپنے دونوں ہاتھ نوبہار کے ہاتھ میں دے کر بولی "سچ بتا، یہ تو اپنا حال بیان کر رہی ہے یا میرا۔؟"

نوبہار:۔ "ملکۂ عالم! جو کیفیتیں مجھ پر گذری ہیں۔ وہی عرض کر رہی ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس قدر تفصیل کے ساتھ میں کسی دوسرے کا حال کیونکر کہہ سکتی ہوں"۔

ملکہ:۔ "نوبہار یقین کر، کہ اگر میں کچھ کہہ سکتی، تو زیادہ سے زیادہ یہی کہتی جو تو کہہ رہی ہے۔ آہ تو نے میرے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے، تو نے کبھی شراب پی ہے؟ کیا تجھے معلوم ہے کہ شراب پینے کے بعد جب رات کو دفعتاً خمار کے عالم میں آنکھ کھل جاتی ہے تو تشنگی کا کیا عالم ہوتا ہے اور اس وقت سرد پانی کا ایک ایک گھونٹ کس قدر لطف دیتا ہے۔ باور کر کہ تیری طرف سے میری تشنگی کی کیفیت بالکل یہی ہے اور جب تو میرے پاس نہیں ہوتی تو میرا حال وہی ہوتا ہے جو پانی سے دور رہنے والے مستسقی کا۔"

نوبہار:۔ "یہ ملکہ کی عنایت ہے، شاہانہ التفات ہے۔ جس پر میری خوش بختی جسقدر ناز کرے کم ہے۔ لیکن اے میری معبودۂ قلب و روح، یہ مہربانیاں جس قدر بڑھتی جا رہی ہیں۔ میرا خون اسی قدر خشک ہوتا جاتا ہے کہ اگر مبادا کسی وقت ملکہ کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ الطاف و عنایات بالکل رائیگاں صرف کئے گئے اور اس ہستی کو موردِ کرم

بنایا گیا جو اس کی اہل نہ تھی۔ تو پھر میرا کیا انجام ہوگا۔ اور ملکہ کی برہمی کا کیا عالم ؟"
ملکہ :۔ "اے نوبہار! جس وقت تک تو میرے پاس نہ تھی، میں سمجھتی تھی کہ زندگی نام ہے صرف ریگ زار کی سی وحشت کا۔ بے آب وگیاہ سرزمین کی سی خشکی کا۔ لیکن تیرے آتے ہی اس ریگستان سے بہت سے چشمے پھوٹ نکلے۔ جو میری زندگی کے صحرا، میری ہستی کے ویرانے کو دعوتِ بہار دے رہے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ کیا چیز ہے جو مجھے تیری طرف اس قدر کھینچ رہی ہے۔ تجھ میں وہ کونسی بات ہے جو میرے دل میں خاص قسم کا گریہ آمیز گداز پیدا کرتی ہے۔ جب تو پاس نہیں ہوتی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اندر ہی اندر میرے دل کو مسوس رہا ہے۔ بھینچ رہا ہے۔ اینٹھ رہا ہے اور اس وقت جو سانس میرے سینے سے نکلتی ہے وہ غیر معمولی طویل اور عجیب قسم کی سردی لئے ہوتی ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ تھوڑی دیر کے لئے میں یہ سوچنے پر بھی مجبور ہو جاتی ہوں کہ اگر واقعی محبت بھی کسی ایسی ہی مجبور کن کیفیت کا نام ہے تو دنیا میں کسی محبت کرنے والے کا جان دے دینا بالکل قرینِ عقل ہے اور اس کو ستانا انصاف سے دور۔"

نوبہار :۔ "ملکۂ عالم! کیا میں دریافت کر سکتی ہوں کہ کل مرزا شاہرخ کے کاغذات پر کیا فرمانِ شاہی نافذ ہوا ؟"

ملکہ یہ سن کر مسکرائی اور پھر سنجیدگی کے ساتھ بولی :۔ "اس میں شک نہیں کہ شاہرخ کا نیلوفر کے ساتھ یوں مخفی طور پر شادی کر لینا۔ میرے ذاتی جذبات کی بنا پر نہایت سنگین جرم ہے اور نیلوفر کے والدین کی برہمی حق بجانب ہے۔ لیکن جو مرافعہ شاہرخ اور نیلوفر کی طرف سے پیش ہوا ہے، وہ ہر چند اس سے قبل تجھ سے کوئی

رحم نہ حاصل کر سکتا تھا، اور اب بھی شاید زیادہ کامیاب نہ ہو لیکن کم از کم مجھے یہ خیال ضرور پیدا ہو چلا ہے کہ انسان واقعی بسا اوقات مجبور ہو جاتا ہے اور مجبور کی معصیت ایک حد تک ضرور قابل عفو ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ تجھے میں وہ کاغذات دکھاؤں گی، لیکن بھول گئی۔ کل میں نے شاہرخ اور نیلوفر دونوں کو حاضری کا حکم دیا ہے اور تیرے ہی سامنے اس معاملہ کا فیصلہ کروں گی۔"

نوبہار:" کیا ملکۂ عالم! مجھے بتائیں گی کہ نیلوفر کے والدین نے بارگاہ ہمایوں میں کیا فریاد پیش کی ہے؟"

ملکہ:" یہی کہ بغیر ان کی رضامندی کے شاہرخ نے نیلوفر کو اپنی طرف مائل کر کے شادی کر لی ہے۔"

نوبہار:" تو کیا سرزمین شبنمستان میں یہ کوئی جرم ہے؟"

ملکہ:" یقیناً سخت جرم ہے اور اس کی سزا مرد کے لئے قصاص ہے اور عورت کے لئے ہمیشہ کے لئے مجرد رہنے کا عہد و پیمان۔"

نوبہار:" کیا واقعی ملکہ، شاہرخ کے قتل کا حکم دے دیں گی، اور کیا نیلوفر، نوجوان نیلوفر ہمیشہ ایک راہبہ کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کی جائے گی۔؟"

ملکہ:" انصاف اور قانون کا منشا تو یہی ہے۔"

نوبہار:" کیا یہ قانون ملک شبنمستان کا دیرینہ قانون ہے۔؟"

ملکہ:" نہیں، یہ صرف میں نے اپنے عہد میں نافذ کیا ہے۔"

نوبہار:" تو کیا ملکہ ایسے قانون کو منسوخ نہیں فرما سکتیں؟"

ملکہ:" لیکن منسوخ کرنے کا سبب؟"

نوبہار نے غور سے ملکہ کو دیکھا، اور پھر اپنا ہاتھ ملکہ کے ہونٹوں تک لے جا کر ان کو ایک نہایت نرم چٹکی سے مل کر کہا کہ "آہ! ان خوبصورت ہونٹوں سے ایسے مکروہ الفاظ، ان نرم و نازک لبوں سے ایسی کرخت و درشت باتیں، ان گلاب کی پنکھڑیوں سے ایسی تلخ و ناگوار نکہت!"

نوبہار کے ہاتھ کا ملکہ کے ہونٹوں سے مس ہونا تھا کہ وہ بیتاب ہو گئی اور بالکل بے اختیارانہ نوبہار کو اپنی آغوش میں کھینچ کر اس کے لبوں کا ایک طویل اور گرم بوسہ لیا اور اس طرح بے قابو ہو کر گر پڑی جیسے کسی نے اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا ہو

(۴)

ملکہ ناہید، ایک قدِ آدم آئینے کے سامنے خاموش کھڑی ہوئی اپنے سراپا کو غور سے دیکھ رہی ہے اور کوشش کر رہی ہے کہ دربار میں جانے سے قبل خشونت و برہمی کے پورے آثار اپنے اوپر طاری کر لے، تاکہ وہ شہرت جو مردوں کی طرف سے اظہارِ بیزاری میں اسے حاصل ہو چکی ہے، بدستور قائم رہ سکے۔ کبھی وہ اپنی پیشانی میں شکنیں ڈال کر اپنے چہرہ کو دیکھتی ہے۔ ابروؤں کے درمیان کی گرہ کو چٹکی سے پکڑ کر اسے قائم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ کبھی وہ اپنی آنکھوں کے اندازِ خیرگی سے خشونت کی کیفیت طلب کرتی ہے۔ کبھی سانس روک کر چہرے میں سُرخی اور گردن کی رگوں میں ابھار پیدا کرنا چاہتی ہے۔ لیکن اُسے کسی طرح اطمینان نہیں ہوتا کہ آج وہ اپنے آپ کو اسی ناہید کی حیثیت سے پیش کر سکے گی جو مرد کا نام آتے ہی اپنے غصّے سے تمام دربار کو رعشہ براندام کر دینے میں

مہارتِ تامہ رکھتی تھی۔ نوبہار جو دور سے کھڑی ہوئی اس "اہتمامِ دل آزاری" کو دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور سر جھکا کر بولی کہ "ملکۂ عالم کا انتظار ہو رہا ہے، اور وزراء حاضر ہیں۔ مرزا شاہرخ بھی مع اپنی محبوبہ کے پا بزنجیر لایا گیا ہے، اور جلاد بھی حکم شاہی کی تعمیل کے لئے شمشیر بکف موجود ہے۔"

ملکہ (آستین چڑھاتے ہوئے) حاضر رہنے دو۔ (آئینے میں پھر ایک بار اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے) لیکن اے نوبہار! مجھے یہ آج کیا ہو گیا ہے، کیا میرا احساس مٹتا جا رہا ہے، کیا میری فطری غیرت و خودداری فنا ہو رہی ہے ——— مجھے معلوم ہے مجھے یقین ہے کہ ایک ظالم و سفاک مرد کے سر قلم کئے جانے کا حکم مجھے دینا ہے لیکن نہ میرے دل میں کوئی کیفیت برہمی کی پیدا ہوتی ہے۔ نہ چہرہ سے آثار جلال ——— تمام اہلِ دربار جو ایسے مواقع پر مجھے دیکھتے ہوئے تھرا اٹھنے کے عادی ہیں۔ آج وہ مجھے دیکھ کر کیا کہیں گے ——— میں ابھی تک اسی اولین حصۂ شب کے خیال سے لذت اندوز ہو رہی ہوں جو تیری معیت میں بسر ہوا تھا۔ میرے اندر ہنوز وہی تبسم مسرت موجود ہے جو کل شام کی گلگشت میں تجھے دیکھ کر میری رگوں کے اندر خون کے ساتھ ملا ہوا دوڑ رہا تھا ——— ——— تو پھر کیا تو یہ چاہتی ہے میں شاہرخ کے قتل کا حکم دوں۔ اس کیفیت کے ساتھ کہ تبسم میرے لبوں پر کھیل رہا ہو۔ ایک فوارۂ خونین کے بلند ہونے کا منظر دیکھوں اس حال میں کہ میری پیشانی پر ایک شکن بھی موجود نہ ہو۔ دنیا مجھے کیا کہے گی۔ میں دنیا کو کیوں کر منہ دکھاؤں گی؟"

نوبہار: یہ ملکۂ عالم! کیا ہنس ہنس کے ذبح کرنے سے زیادہ پر لطف صورت جور و ستم

کی کوئی اور ہو سکتی ہے۔ یہ مجبوری تو صرف مرد ہی کو ہے کہ جب وہ کسی کو قتل کرے گا تو اسکی آنکھوں سے خون بھی ضرور ٹپکے گا۔ لیکن عورت تو اتنی بے بس نہیں کہ وہ کسی کو ذبح کرے اور مسکرائے بھی نہیں۔ علی الخصوص ملکۂ عالم کی سی عورت کہ اس کا تبسم ہی دیت و خونبہا ہے ——— اگر ملکۂ عالم کو اس کا علم ہوتا کہ بعض کا تبسم بھی عریاں خنجر سے کم نہیں ہوتا تو شاید اس اہتمام کو ضروری نہ سمجھا جاتا۔"

ملکہ آئینہ کے سامنے سے ہٹ کر نوبہار کے قریب آگئی اور اپنے ریشمی معطر بالوں کو جو گھڑی گھڑی پیشانی پر آجاتے تھے ہٹاتی ہوئی بولی ——"نوبہار اس داستانِ محبت کو ختم کر جو کل رات تو نے شروع کی تھی۔ ہاں تو جب وہ نقاش آیا اور اس نے تجھ سے جانے کی اجازت طلب کی تو کیا جواب دیا، غالباً پہلے بہت ہنسی ہوگی اور پھر کہہ دیا ہوگا کہ جاؤ۔"

نوبہار۔ ملکۂ عالم! ایسی کہانی رات ہی کو کہی جاتی ہے اور خاص کر اس رات کی کہانی جس رات میں سب سے پہلے کسی کو شبابِ محبت کی کیفیت کا علم حاصل ہوا ہو ——— لیکن یہ بتائے دیتی ہوں کہ میں نے اس سے وہ نہیں کہا جو ملکۂ عالم نے سمجھا ہے بلکہ میں خاموش ہوگئی اور جب اس نے مجھ سے اس خاموشی کا سبب دریافت کیا تو میں اس کے شانے پر سر ڈال کر رونے لگی۔ ——— لیکن خیر اس کی تفصیل تو میں پھر عرض کروں گی، فی الحال تو ملکۂ عالم کو فسانہ سننا نہیں ہے۔ بلکہ باہر دربار میں جا کر ایک نیا فسانہ پیدا کرنا ہے۔ خواہ وہ کیسا ہی خونین و الم انگیز کیوں نہ ہو۔"

ملکہ: مگر اے نوبہار! کیا کروں ہمت نہیں ہوتی کہ باہر جاؤں اور لوگوں کو اس

سرگوشی کا موقع دوں کہ ملکۂ ناہید شاید اپنے قانون کی غلطی کو محسوس کرنے لگی ہے ـــ اچھا تو جا دربادکو برخاست کر دے اور شاہرخ اور نیلوفر کو یہیں میرے حضور میں لے آ۔"

شاہرخ شبستان کے ایک نہایت ہی معزز گھرانے کا نوجوان تھا اور تمام اُن صفات سے متصف تھا جو ایک بلند خاندان کے انسان میں پائی جانی چاہئیں وہ فنون سپہ گری کا ماہر تھا اور مردانہ کھیلوں میں بارہا ملک سے تحسین حاصل کر چکا تھا بلکہ اس کی داستانِ محبت کی ابتداء اسی طرح ہوئی تھی کہ میدان مسابقت میں جب ایک خونخوار شیر چھوڑا گیا اور شاہرخ کی تلوار نے اس کو دو نیم کر کے رکھدیا تو سب سے قیمتی انعام جو اسے ملا وہ نیلوفر کا دل تھا۔ لیکن چونکہ بدقسمتی سے ان دونوں خاندانوں میں عرصہ سے مخالفت چلی آرہی تھی۔ اس لئے نیلوفر کا باپ کامران شادی پر راضی نہ ہوا اور آخر کار شاہرخ نے مجبور ہو کر نیلوفر کے والدین کی اجازت حاصل کئے بغیر اس کو اپنا بنا لیا۔

شاہرخ اور نیلوفر دونوں قصر کے ایک کونے میں اس طرح خاموش کھڑے ہوئے ہیں گویا کسی ہیکل میں دو مجسّمے قائم ہوں اور اپنے پجاریوں کا انتظار کر رہے ہوں کیونکہ اگر شاہرخ مردانہ حسن کا مکمل نمونہ تھا تو نیلوفر بھی حسن نسائی کی ایک بے مثل مورت تھی اور ان دونوں کو یکجا دیکھنے کے بعد کوئی شخص نہیں کہہ سکتا تھا کہ قدرت نے ان دونوں کو دو علیحدہ فرشتوں میں بنایا ہے۔

ملکۂ ناہید دور سے ان دونوں کو غور سے دیکھ رہی تھی اور کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح اپنی برہمی کا اظہار ان پر کرے۔ نوبہار، جو اس منظر کی تمام کیفیات کو

اچھی طرح سمجھ رہی تھی ملکہ کے پاس کھڑی ہوئی منتظر تھی کہ دیکھئے ملکہ کیونکر گفتگو کا آغاز کرتی ہے۔ اور کس نتیجہ پر پہنچتی ہے ——

ملکہ دفعتاً ٹہلنے لگتی ہے۔ اور کچھ دیر بعد ایک جگہ ٹھہر کر نیلوفر کی طرف بڑھتی ہے۔ اور اپنے ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی کو اوپر اٹھا کر پوچھتی ہے ۔" نیلوفر! یہ تونے کیا کیا۔ کیا تجھے نہیں معلوم تھا کہ شاہرخ، کامران کے خاندان کا دوست کبھی نہیں ہوسکتا۔"

نیلوفر (آنکھوں میں آنسو لاکر) ملکۂ عالم! مجھے کامران کے خاندان اور شاہرخ کو اپنے خاندان سے اب کیا واسطہ ——۔

نوبہار (بات کاٹ کر) کیوں واسطہ کیوں نہیں —— ملکۂ عالم نے کبھی اس کو پسند نہیں کیا کہ اس کی رعایا میں باہم خاندانی نزاع قائم رہے اور اس لئے اگر کوئی صورت کسی ایسی مخالفت کے دور کرنے کے بعد پیدا ہوسکتی ہے تو ارادہ شاہی اُسے نگاہِ استحسان سے دیکھنے میں کبھی پس و پیش نہیں کرسکتا۔ نیلوفر! تم کو عطوفتِ شاہانہ سے درخواست کرنا چاہئے کہ وہ اس واقعہ کو ان دونوں خاندانوں کی نزاع دور کرنے میں مثال کے طور پر قائم کرے اور اگر کوئی قانونی فرد گذاشت ہوئی ہے تو اسکو اپنے رحم وکرم سے معاف فرما دے۔"

ملکۂ ناہید، نوبہار کی یہ تقریر سن کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور ایک ایسے تبسّم کے ساتھ جس میں لطف سے زیادہ طنز شامل تھا۔ بولی کہ " اے نوبہار! اگر تجھے شبنستان پر حکومت کرنے کا شوق ہے۔ تو میں وہ بھی تیرے سپرد کردینے کے لئے آمادہ ہوں لیکن قبل اس کے کہ تجھے یہ اختیار ملے اس کے صرف کرنے میں اس قدر عجلت سے کام لینا

مناسب نہیں، یقیناً میں پسند نہیں کرتی کہ ملک کے امن وسکون میں اضطراب پیدا ہو، اور ہو سکتا ہے کہ رشتۂ ازدواج کو دو مخالف خاندانوں میں باہم صلح پیدا کرنے کا بہانہ قرار دیا جا سکے، لیکن کیا شاہرخ کو معلوم نہیں تھا کہ ایسی صورت میں اسے سب سے پہلے رخصت شاہی حاصل کرنا چاہئے تھی۔ علی الخصوص ——"

نوبہار (بات کاٹ کر) "اس وقت جبکہ اسے اور ساری دنیا کو معلوم ہے کہ ملکۂ عالم سے بارہا اس قسم کی اجازت طلب کی گئی اور کبھی منظور نہیں ہوئی۔ رہا شبستان پر حکومت کرنے کا شوق سو اس کی تمنا مجھے کیا ہو سکتی ہے، جب کہ میں جانتی ہوں کہ عورت نام ہے صرف" لغزش کا، جو تخت شاہی پر نہیں بلکہ خلوت ہی میں کچھ اچھی معلوم ہوتی ہے"۔

نوبہار کا یہ جواب ایسا زبردست طنز رکھتا تھا کہ ملکہ ناہید میں تھوڑی دیر کے لئے اس غضبناک شیرنی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی جس کے لئے راہ فرار بالکل مسدود ہو۔ لیکن نوبہار کی نگاہوں سے تصادم ہوتے ہی وہی عالم ہوا جیسے کوئی چھوئی موئی کے درخت کو چھو لے اور اس کی شاخیں جھک کر رہ جائیں۔ وہ دیر تک خاموش رہی سر پکڑ کر کچھ سوچتی رہی۔ اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کا حزن وملال طاری تھا۔ اسکی صورت اداس تھی۔ آنکھوں سے عجیب قسم کی تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ کیا نوبہار نے اس کی توہین نہیں کی، اور کیا اس کو برداشت کرنا چاہئے اس نے ایک بار ارادہ کیا کہ نوبہار کو باہر چلے جانے کا حکم دے۔ لیکن اس خیال کے ساتھ ہی معاً وہ تمام لذتیں وسرشاریاں یاد آنے لگیں، جو نوبہار کی معیت میں اسے حاصل ہوتی تھیں اور پھر ضبط کر کے ایسے انداز کے ساتھ جس میں معقولیت سے زیادہ

مغلوبیت پنہاں تھی۔ شاہرخ سے مخاطب ہو کر بولی کہ "اے شاہرخ! نیلوفر میں وہ کیا بات تھی جس نے تجھے احکام شاہی کی مخالفت میں شدید ترین عقوبت برداشت کرنے پر جری بنا دیا۔؟"

شاہرخ: "ملکۂ عالم! میں کیا عرض کر سکتا ہوں، جب کہ کسی کو بھی دنیا میں یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ مقناطیس لوہے کو کیوں کھینچ لیتا ہے۔ چاند کو دیکھ کر چکور کیوں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ شمع پر قربان ہونے کے لئے پروانہ کیوں مجبور ہے!"

ملکہ۔ میں اس وقت شاعری سننے کے لئے آمادہ نہیں، اور نہ میں دور از کار مہمل تشبیہات سے مطمئن ہو سکتی ہوں (نیلوفر سے مخاطب ہو کر) تو بتا کہ شاہرخ میں وہ کونسی خصوصیت تھی کہ تو نے اس کے لئے فرمان شاہی سے سرتابی کی بھی پرواہ نہ کی۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ مرد نے اس وقت تک عورت پر کیا کیا ظلم توڑے ہیں اور یہ قوم عورت کی کمزوری سے کس قدر فائدہ اٹھاتی ہے۔ اس کی محبت یکسر فریب اور اس کی شیفتگی سراپا مکر و خود غرضی ہے۔ اس کا عورت سے محبت کرنا اپنے نفس سے محبت کرنا ہی اور اسکا ایثار عورت کے لئے ایک صیاد کا سا دام ہے جس سے وہ شاہین کا شکار کرنا چاہتا ہی پھر جب تک عورت پر اس کو اقتدار حاصل نہیں، وہ ایک غلام سے زیادہ تابع فرماں نظر آتا ہے لیکن ایک بار اس پر قابو پانے کے بعد وہ ایک گرسنہ شیر ہے جو کسی طرح اپنے صید زبوں کے جسم سے اپنے پیوست ہو جانے والے ناخن و چنگال جدا کرنے کے لئے تیار نہیں، اب بھی وقت ہے کہ تو اس حقیقت کو معلوم کر کے شاہرخ سے اپنی بیزاری کا اعلان میرے سامنے کر دے۔ تاکہ میں رشتۂ ازدواج کے قطع کر دئے جانے کا حکم دیکر تجھ کو پھر ایک بار دنیا میں سردر زندگی بسر کرنے کا موقع دوں، اور اسی کے ساتھ یہ

بھی غور کروں کہ قصاص سے کم وہ کونسی سزا ہے جو شاہرخ کو دی جاسکتی ہے۔"

نیلوفر "اے ملکۂ عالم! اگر شاہرخ کی جان بخشی اسی طرح ممکن ہی تو میں اسکے لئے بھی۔"

——— نیلوفر یہیں تک کہنے پائی تھی کہ شاہرخ نے آگے بڑھ کر اُس کے منھ پر ہاتھ رکھ دیا اور ملکہ سے مخاطب ہو کر بولا "کیا شبستان کے خاندان شاہی کے افراد اس قدر عقل سے دور ہیں کہ جس وقت وہ دوسروں کی داستانِ مکر و فریب بیان کرنے لگتے ہیں تو ٹھیک اسی وقت وہ خود اپنے مکر و فریب کو بھی چھپانے پر قادر نہیں ہو سکتے مرد کا عورت کو دھوکا دینا تاریخی حقیقت سہی، لیکن کیا ایک عورت دوسری عورت کو اس سے زیادہ دھوکا دے سکتی ہے جو اس وقت شبستان کی ایک جلیل القدر ملکہ غریب شاہرخ کی معصوم بیوی نیلوفر کو دینا چاہتی ہے ——— جان کے قیمتی ہونے کا ذکر نیلوفر سے کیا جاتا ہے جسکی حیات کا تنہا مقصود، مرد کی پرستش ہے۔ لیکن ملکۂ ناہید "مرزا شاہرخ بیگ" سے استمزاج کی تکلیف گوارا نہیں فرماتیں، تاکہ وہ بتا تا کہ حیات انسانی جس کا سودا کبھی صرف "نیم نگاہ محبت" سے ہو جاتا ہے، کسی وقت اس قدر گراں ہو جاتی ہے کہ اسے شبستان کی صاحب لعل و گہر ملکہ بھی نہیں خرید سکتی۔"

ملکہ یہ سن کر غصہ سے بیتاب ہو گئی اور نہایت بلند آواز سے بولی کہ "شاہرخ خاموش ہو جا قبل اس کے کہ جلاد کی تلوار تجھے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دے۔"

شاہرخ (زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے) "اپنے غصہ اور جلاد کی تلوار سے اس بزدل کو ڈراؤ جو تجھ سے اس عارضی زندگی کے لئے چند سانسوں کی بھیک لینے کا آرزومند ہو۔ وہ شخص جو "گرانبار کرم" زندگی کو موت سے بدتر جانتا ہے۔ اس کے لئے تیری پیشانی کی یہ شکنیں، بستر کی وہ شکنیں ہیں جن پر نگاہ ڈالے بغیر صبح کو سو کر اٹھنے والا باہر نکل

جاتا ہے ـــــــــ کیا تجھے یقین ہے کہ نیلوفر مجھ سے جدا ہو کر کسی لڑکی آغوش کو قبول کرے گی اور کیا میں اس سے جدا ہو کر اس قدر ضعیف و ناتواں ہو جاؤں گا کہ اگر جلاد کی تلوار میرے گلے تک نہ پہنچے تو میں خود اپنے حلقوم کو اس تک نہ پہنچا سکوں۔ اے ملکہ! ہوش میں آ، اپنے لطف و کرم کا جادو صرف ان بے غیرت ہستیوں پر ڈال جو تیرے دروازہ پر کتوں کی طرح زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ جان دینے والوں سے ایسی گفتگو کرنا مناسب نہیں۔"

ملکہ نے جس کا سارا جسم اس طرح کانپ رہا تھا جیسے شاخ بید سے کوئی طائر اڑ کر چلا جائے اور وہ دیر تک تھرتھرایا کرے۔ جلدی جلدی فرمانِ قصاص لکھا اور نوبہار کو بلا کر حکم دیا کہ "یہ فرمان وزیرِ اعظم تک ابھی پہنچا دیا جائے۔"

نوبہار نے اسے دیکھا تو سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ کیونکہ اس میں نہ صرف شاہرخ بلکہ نیلوفر کے بھی تہ تیغ کئے جانے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اور وہ جانتی تھی کہ اگر اس کی تعمیل کی گئی تو ملکہ میں جو پہلے ہی برافروختہ تھا۔ بہت زیادہ ہیجان پیدا ہو جائے گا۔ اس نے جانے میں کچھ تامل کیا تو ملکہ نے غضب آلود نگاہوں سے اسے دیکھ کر پوچھا کہ "یہ پس و پیش کیسا؟"

نوبہار نے کہا کہ "اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں، اور وہ یہ کہ ان مجرموں نے جس قدر گستاخی ملکہ کے حضور میں کی ہے وہ اس سے زیادہ سزا کے مستحق تھے"

ملکہ "قصاص سے زیادہ سزا سخت اور کیا ہو سکتی ہے؟"

نوبہار "ملکۂ عالم! سزا سے مقصود مجرم کو اذیت میں مبتلا کرنا ہے اور سب سے بڑی اذیت وہ ہے جو عرصے تک احساس انسانی کو بے چین رکھے۔ اگر ان دونوں

کو قتل کر دیا گیا تو انھیں بجائے تکلیف کے اس خیال سے مسرت ہوگی کہ مصیبت سے جلد چھٹکارا مِل گیا لیکن اگر ان کو ایک دوسرے سے جدا کر کے مقید کر دیا گیا تو یہ ایک مستقل تکلیف و اذیت ہوگی، جو ایسے گستاخ لوگوں کو پہنچنا چاہیئے۔ اس لئے میری رائے تو یہی ہے کہ ان کو قلعہ کے اندر علیحدہ علیحدہ محبوس کر دیا جائے اور قید و بند کے لئے فی الحال کوئی میعاد مقرر نہ کی جائے۔"

ملکہ جو نوبہار کے سامنے ہمیشہ اپنے آپ کو مجبور سی محسوس کرنے لگتی تھی، یہ سن کر کچھ دیر تک سوچتی رہی اور پھر فرمان کو چاک کر کے دوسرا حکم تحریر کیا اور حد درجہ خستگی کے ساتھ کرسی پر ایک طرف گردن ڈال کر خاموش پڑ رہی۔

(۵)

ملکۂ ناہید اپنی فطرت کے لحاظ سے خواہ کیسی ہی قابل عزت کیوں نہ ہو لیکن ملک کے نظم و نسق کا جہاں تک تعلق تھا وہ سخت ناکام ثابت ہوئی۔ وزراء اور ارکانِ حکومت یہ ضرور چاہتے تھے کہ جو بدنامی ملکۂ ناہید کی ہو رہی تھی اسے کسی طرح حسنِ اسلوب کے ساتھ دور کر دیا جائے لیکن اس کا کوئی علاج نہ تھا کہ وہ چاہتے کچھ تھے اور ناہید کرتی کچھ تھی۔ سب سے زیادہ اعتراض اہلِ ملک کو یہ تھا کہ وہ حسب رواج سلطنت ملکۂ ناہید نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ اور دوسرا سبب برہمی کا یہ تھا کہ وہ مردوں سے سخت متنفر تھی اور اس سلسلے میں نہایت سخت قانون نافذ کر کے اس نے بعض نہایت قیمتی ہستیوں سے اہل ملک کو محروم کر دیا تھا۔ اس وقت اہل ملک کا خاموش رہنا ایک تو اس وجہ سے تھا کہ وہ واقعی ناہید سے محبت کرتے تھے

اور اس کا حسن و جمال ایک ایسا سحر تھا کہ اس کو دیکھتے ہی ہر شخص سربسجود ہو جانے پر مجبور ہو جاتا تھا اور دوسرے اس سبب سے کہ طبقۂ امراء کے نوجوان، جن میں سے ہر ایک ملکۂ ناہید کی محبت دل میں لئے ہوئے اس سے شادی کرنے کا آرزومند تھا۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ملکہ کو کوئی زخم چشم بھی پہنچے۔ چہ جائیکہ اس کی ذات یا حکومت کے خلاف بغاوت کرنا لیکن شاہرخ اور نیلوفر کے مقید کر دئے جانے سے ملک کی ایک بڑی جماعت سخت برافروختہ ہو گئی اور آخر کار اس نے مقابلہ کرنے کا ارادہ کر ہی لیا۔

ملک کے مختلف حصوں میں ملکۂ ناہید کے خلاف جلسے ہو رہے ہیں۔ لوگوں میں اشتعال پیدا کیا جا رہا ہے اور وزراء کو دھمکایا جا رہا ہے کہ اگر ملکۂ ناہید نے جلد سے جلد شادی کر کے اپنی حکومت میں کسی مردانہ دماغ کو شامل نہ کیا، تو اس کی معزولی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ ملکۂ ناہید، سخت اضطراب کی حالت میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی۔ اراکین سلطنت خاموش کھڑے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں گفتگو کر رہے ہیں۔ نوبہار سر جھکائے ہوئے ایک گوشے میں دم بخود کھڑی ہوئی ہے — کچھ دیر کے بعد دفعتہً ملکہ کچھ سوچکر میز کے پاس آئی اور سب کو مخاطب کر کے بولی: "اگر اہل ملک کا مطالبہ یہی ہے تو میں اپنی معزولی کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ لیکن شادی کر کے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے دوسرے کی کنیز بنا دینا میرے اختیار سے باہر ہے۔"

وزیر اعظم۔ "اے ملکۂ عالم! میں بھی عرض کروں گا کہ ملکہ کا شادی کر لینا، کنیز بننا نہیں ہے بلکہ دوسرے کو غلام بنا لینا ہے۔"

دوسرا وزیر: "علاوہ اس کے یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے اختیارات حکومت چھین لئے جائیں، اگر ملکہ کی مرضی کے خلاف کوئی حرکت اس سے ظاہر ہو۔"

یہ سن کر ملکہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ دفعتاً قصر شاہی کے چاروں طرف سے ہنگامہ کی آواز بلند ہوئی اور نسرین نے گھبرائے ہوئے آکر اطلاع دی کہ باغیوں نے محل کا محاصرہ کرلیا ہے۔ اور فوج کا محافظ دستہ انھیں اندر آنے سے روک رہا ہے۔ یہ سنتے ہی ملکہ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور سلطنت ہاتھ سے جاتے دیکھ کر اس کے تمام عزائم مضمحل ہو کر رہ گئے۔ وزراء نکل کر باہر گئے تھے کہ نوبہار آگے بڑھی اور عرض کیا کہ ایک تدبیر میرے ذہن میں آئی ہے اور وہ یہ کہ ملکہ اپنی شادی کی کوئی تاریخ مقرر کر کے اعلان کردیں اور کسی عورت کو مردانہ لباس پہنا کر تاریخ مقررہ پر اسی سے شادی کی رسم ادا کرلیں۔"

ملکہ۔ "لیکن اگر بعد کو یہ راز ظاہر ہو گیا تو پھر کیا ہو گا؟"

نوبہار: "میرے پاس ایک تدبیر اور ہے جو اس راز کو ظاہر نہ ہونے دے گی۔"

ملکہ: "تو کیا اس کے لئے تو آمادہ ہے کہ ایک ساعت کے لئے مرد بن جائے گی!"

نوبہار: "اگر ملکہ کا فرمان یہی ہے تو مجھے اس میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔"

ملکہ ناہید کی شادی ہو چکی ہے۔ اور تمام شبستان میں ہر جگہ چراغاں ہو رہا ہے۔ ملکہ اطلس و کمخواب، پرنیاں و حریر میں لپٹی ہوئی اپنی خواب گاہ میں لیٹی ہے اور نوبہار کو چھیڑ رہی ہے کہ "کیا آج کی رات بھی تجھے میرے پاس رہنے میں کوئی عذر ہو سکتا ہے؟"

نوبہار: "اے ملکہ عالم! مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ مردانگی

نقل کرتے کرتے بعض عورتیں واقعی مرد بن گئیں اور اس لئے میں کیا کروں گی اگر صبح کو مجھے یہ معلوم ہوا کہ اب میں ،، نوبہار " کبھی نہیں بن سکتی ۔"

ملکہ نے یہ سُن کر قہقہہ لگاتے ہوئے آخری جام شراب پیا اور بولی :۔

،، اگر واقعی تو مرد بن گئی تو میں بجائے مردوں کے عورتوں سے نفرت کرنے لگوں گی کہ مبادا کسی دن وہ مجھ سے میرے شوہر کو چھین لیں ۔"

آفتاب کی کرنیں حجلۂ عروسی کے پردوں سے گذر کر اس مسہری پر پڑ رہی ہیں جہاں ملکہ حجاب و انفعال کی تصویر بنی ہوئی اس طرح بیٹھی ہوئی ہے جیسے قمری اپنے پروں میں سر ڈال کر رہ جائے اور شہزادۂ خرم اسے چھیڑ رہا ہے کہ ۔۔" اے شبستان کے قطرۂ گوہر میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ بعض دفعہ جب عورت مرد کا بھیس بدلتی ہے تو پھر وہ عورت نہیں ہو سکتی ۔"

یہ سُن کر ملکۂ ناہید بے اختیارانہ اپنی آغوش میں اسے لے لیتی ہے اور مسرت و نشاط کے چند گرم گرم آنسو اس کے سینہ پر ٹپکا کر زندگی میں پہلی بار اپنی نسائیت کا اعتراف کرتی ہے ۔

درسِ محبت

معبد زہرہ کی کنواریاں سب کی سب پاکباز رہی ہوں یا عصمت فروش۔ اس سے بحث نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دردآنہ زہرہ کی پرستش اس کو عصمت کی دیوی ہی سمجھ کر کرتی تھی اور جس وقت وہ معبد سے تجدید تقدّس کے بعد باہر نکلتی تو لوگ ایسا محسوس کرتے کہ شاید دنیا میں تخلیق کی ابتدا، ابھی ہوئی ہے اور قلب انسانی ان ضروریات سے ہنوز ناآشنا ہے جو خون میں ناجائز گرمیات پیدا کر کے روح کو آہستہ آہستہ داغدار کرتے رہتے ہیں۔

یونان کے مذہبی دورِ حسن پرستی کا یہ وہ زمانہ انحطاط تھا جب یونان کا ایک ایک نوجوان قلب الگ الگ ایک مخصوص زہرہ کا معبد بنا ہوا تھا اور مذہب ان کے ہاں نام تھا محض اس زندگی کا، جسکی ترکیب صرف عورت، شباب، حسن اور عشق کے عناصر اربعہ سے ہوئی تھی۔

خانقاہِ زہرہ کا ایک ایک حجرہ، باغ معبد کا ایک ایک کُنج جہاں کسی وقت حسنِ فطرت کی پرستش ہوا کرتی تھی جو کسی زمانے میں مخصوص تھا۔ صرف جمیل مناظر قدرت کے مطالعے کے لئے اب ایک خلوۃ کدہ تھا، جہاں عصمت "آغشتہ بہ خوں" اور محبت "مائل بہ جنوں" نظر آتی تھی۔

ملک کا کوئی نوجوان ایسا نہ تھا جس نے اپنی عمر کے سیکڑوں دن اس سعی میں بسر نہ کر دئیے ہوں کہ اس فضا کی کم از کم ایک ہی معطر رات اسے میسّر آ جائے اور مشکل سے کوئی آشفتۂ شباب ایسا ملے گا جس نے ایک مرتبہ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد دنیا میں پھر کسی اور لذت کی خواہش کی ہو۔

دردانہ ایک امیر خاندان کی لڑکی تھی جس کو اس کے والدین نے ایک خواب کی ہدایت کے مطابق خانقاہِ زہرہ کے لئے وقف کر دیا تھا اور جس کی کمسنی یہیں کی سم آلود فضا میں ربیانِ شباب تک پہنچی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ یوں تو خانقاہ کی ہر کنواری اپنی اپنی جگہ ایک بے پناہ مجسمۂ حسن شباب تھی لیکن دُردانہ! اس کا تو یہ عالم تھا جیسے فطرت کے کسی حسین خواب نے انسانی صورت اختیار کر لی ہو۔

لوگ کہتے تھے کہ دُردانہ سے زیادہ حسین ہونا گویا خدا ہو جانا ہے اور شاید یہی وہ جذبہ تھا جس نے ابھی تک کسی کے دل میں اس کے پاس "التجائے غیر معصوم" لے جانے کی ہمت پیدا نہ ہونے دی تھی۔ لیکن یہ کون کہہ سکتا ہے کہ گذشتہ دو سال کے اندر جب سے اس نے نمودِ شباب کے بعد، حسب دستور نقاب پوش ہو کر نکلنا شروع کیا تھا۔ لوگوں کی تمناؤں میں کس قدر تلاطم برپا کر دیا تھا۔ اور ان کا تخیل اس کے نقاب پوش حسن کو کس کس انداز سے عریاں دیکھا کرتا تھا۔

یوں تو ملک کا ہر وہ شخص جس کی رگوں میں خون دوڑ رہا تھا، دُردانہ کے لئے یکسر اضطراب شوق بنا ہوا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ نمایاں اور اپنے آپ کو مستحق کامیابی سمجھنے والی ہستی شہزادہ نیر دیبی کی تھی۔ جو نہ صرف اپنے حسن و صورت بلکہ اکتسابات ذہنی کے لحاظ سے بھی اس وقت یونان کا ایک ہی نوجوان تھا۔

چاندنی رات تھی خانقاہ کے نیچے بہنے والی ندی میں چاند نے چراغاں کر رکھا تھا اور وادی پر سکون مطلق طاری تھا کہ دفعتاً اس سکون میں تبدیلی پیدا ہوئی اور ساحل کے ایک جانب سے بربط کے تاروں کی نازک لرزش آ آ کر ہوا میں ملنے لگی رفتہ رفتہ اس لرزش کا تواتر بڑھا، جھنکار میں زور پیدا ہونے لگا اور نسائی آواز موسیقی بن بن کر تاروں پر دوڑنے لگی۔ دُر دانہ کا معمول تھا کہ کبھی کبھی وہ رات کو تنہا نکل کر ساحل پر آ جاتی اور دیر تک بیٹھی ہوئی بربط کے ساتھ گایا کرتی۔ اس کا گانا حقیقتاً ایک قسم کی عبادت تھا۔ اس کی موسیقی گویا اس کی پرستش کی زبان تھی جس کے سمجھنے والے اور جس سے صحیح اثر لینے والے اسے کہیں نظر نہ آتے تھے اور اس لئے وہ جنگل ہی کی بے جان چیزوں کے سامنے اپنا فلسفہ بیان کیا کرتی اور یہیں کبھی ہنستی ہوئی اور کبھی آنسو خشک کرتی ہوئی واپس جاتی۔

سفید چادر چاندنی رات، اور دُر دانہ کا بے نقاب حسن صبیح حقیقت یہ ہے کہ اس نقرئی لوح پر یہ نقش سیمیں مشکل سے اُبھر سکتا۔ اگر اس کے بالوں کی گہری سیاہی اس یکسانیت کو دور کرنے والی نہ ہوتی۔ وہ ایک چٹان پر پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھی تھی اور بربط پر اپنی لانبی نازک انگلیوں سے اپنی داستان پرستش کہہ رہی تھی۔

جب رات زیادہ بلند ہو چکی اور چاند بلند ہو کر دُر دانہ کے سر سے گذرنے لگا تو اس نے اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن وہ کھڑی ہونا چاہتی تھی کہ سامنے کے کنج سے ایک انسان سفید چادر میں ملفوف آگے بڑھتا ہوا نظر آیا پہلے تو وہ کچھ ڈری لیکن چونکہ ایک پاکباز دل دنیا میں کسی چیز کی طرف سے عرصہ تک خائف نہیں رہ سکتا، اسلئے وہ پھر اطمینان سے وہیں بیٹھ گئی اور جس وقت آنیوالے نے اس کے استفسار کے

جواب میں اپنا نام نیرؔدبی بتایا تو دُرؔدانہ تعظیماً کھڑی ہوگئی اور بولی کہ شاہزادے کو کس چیز نے ایسے ناوقت اس قدر زحمت برداشت کرنے پر مجبور کر دیا۔

نیرؔدبی بولا "کیا وہ خاتون جس کو دنیا میں سب سے زیادہ حسین ہونیکا امتیاز حاصل ہے اس بات کو نہیں سمجھ سکتی، کہ نیرؔدبی۔ جس کی زندگی میں اب کوئی وقت۔ وقت کہلائے جانے کے قابل نہیں رہا۔ مگر وہ جو کسی حقیقی حسن کے سامنے بسر ہو کیوں ایسے ناوقت اس قدر زحمت برداشت کرنے پر مجبور ہو گیا"

دُرؔدانہ یہ سن کر صرف ہنس دی۔ نیرؔدبی سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے بولا۔ جس نے تیرا استخوان پاکیزہ موتیوں سے بھرا ہے کیا وہ تجھے اس امر پر مجبور نہیں کر سکتا کہ تو میری قسمت کا آخری فیصلہ سنا دے"

دُرؔدانہ بولی "آہا! شاہزادہ نیرؔدبی تو بہت اچھا شاعر ہے" اور یہ کہہ کر پھر ہنس دی شاہزادہ نیرؔدبی بولا " اُف! دُرؔدانہ گھڑی گھڑی نہ ہنس کیونکہ چاندنی رات میں بابونہ کے پھولوں کی بہار مجھے از خود ......"

دُرؔدانہ :- "خوب! پھر وہی شاعری، اے شاہزادے! تو نے یہ فن کہاں اور کب سیکھا؟ اگر میں رات بھر ہنستی رہوں تو بھی شاید تیری نئی نئی تشبیہوں کا سلسلہ ختم نہ ہو۔ میں نے بھی ایک مرتبہ کوشش کر کے ایک شعر کہا تھا لیکن وہ بہت معمولی تھا"

نیرؔدبی :- "مجھے سناؤ! یقیناً وہ بہت اچھا ہوگا"

دُرؔدانہ :- "نہیں، وہ نہایت معمولی ہے، اس میں کوئی تشبیہ نہیں ہے۔ مجھے نہیں معلوم تشبیہ کسے کہتے ہیں اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

نیرؔدبی :- "تمھارے لئے یہ معمولی بات ہوگی۔ لیکن میرے لئے تو ہر وہ لفظ

سکون جان ہے جو دُر دانہ کے منہ سے نکلے۔"

دُردانہ۔" مجھے شرم آتی ہے۔ تم سن کر مجھ پر ہنسو گے، اور ہاں اب تو مجھے وہ یاد بھی نہیں رہا کوشش کروں تو شاید صرف خیال ظاہر کر سکتی ہوں۔"

نیر وبی۔ اچھا وہی سہی، خیال ہی سہی۔"

دُر دانہ۔" ایک دن میں معبد میں دیوی زہرہ کے سامنے سر زمین پر رکھے ہوئے ——— رو رہی تھی کہ اسی حالت میں مجھے نیند آگئی۔ میں نے ایک خواب دیکھا جو نہایت دلکش تھا۔ صبح کو نہایت مسرت کے عالم میں جب اپنا بربط میں نے لیا تو بے اختیار میری زبان سے ایک شعر نکل گیا۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ:۔

"وہ لوگ جو میرے جسم کو چاہتے ہیں ان سے کیونکر کہوں کہ میری روح تو اس سے کہیں زیادہ حسین ہے۔ میرے چہرے کو بے نقاب دیکھنے کی آرزو رکھنے والے کاش میری روح کو بے حجاب دیکھتے۔ مگر افسوس کہ صورت پر جان دینے والے بہت ہیں اور مجھ سے محبت کرنے والے کم۔"

دیکھو! میں کہتی نہ تھی کہ تم ہنسو گے، واقعی نہایت بھدا خیال ہے۔ شاعری کی اس میں کوئی بات نہیں پائی جاتی۔"

نیر وبی۔" مجھے دھوکا نہ دے۔ تو نے کبھی کوئی شعر نہیں کہا۔ میں ایسا بیوقوف نہیں، جو سمجھ نہ سکوں، تو نے مجھے سمجھانے کے لئے مجھ کو تنبیہ کرنے کے لئے ایک بات بنائی ہے۔ یہ تو نے کیسے جانا کہ میں صرف تیرے جسم کا پرستار ہوں صرف تیری صورت کا شیدائی ہوں"

دُر دانہ۔" ہاں یہ تم نے کیا کہا؟ مجھے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ اس سے قبل جب کبھی تم نے مجھ سے باتیں کیں میں نے ان کو ہمیشہ وہ التفات سمجھا جو ایک

بادشاہ کی طرف سے غریب گدا پر ہوا کرتا ہے، مجھے تو کبھی اس کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ والئ یونان کا بیٹا مجھ ایسی ذلیل و خوار ہستی کے لئے اپنی زندگی کا کوئی لمحہ محبت کبھی صرف کر سکتا ہے۔ تو کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ واقعی محبت کرتے ہو، میں کیسے یقین کروں؟"

نیرد بی:- "دُردانہ! یقین کر کہ وہ نیرد بی، جو ملک کی بہتر سے بہتر لڑکی کے ساتھ شادی کر سکتا ہے۔ ایک زمانے سے تیرا دیوانہ ہے اور ہر چند وہ اب تیرے چہرے کو بے نقاب نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن تیرے حسن و جمال کے خوابوں سے اب بھی اسکی نیندیں معمور ہیں اور تیرے جلوے کی یاد سے اس کی راتیں روشن۔"

دُردانہ:- "حسنُ و جمال! جلوہ!! میں ان کے صیح مفہوم سے ناواقف ہوں، کیا اچھی صورت کو حسن و جمال کہتے ہیں، چہرہ کا یاسمین، رخسار کا گلاب، آنکھ کا نشہ، ابرو کی محراب، جسم کا تناسب، لبوں کی تازگی، دانتوں کی گہر آبی، رنگ کی تازگی، جن کا ذکر اکثر شاعروں کی زبان پر رہتا ہے کیا انھیں چیزوں کا نام حسن ہے۔ کیا انھیں باتوں کو جمال کہتے ہیں۔ اور کیا انھیں چیزوں کا بے نقاب ہو جانا جلوہ کہلاتا ہے۔ اگر دنیائے عشق و محبت کا فلسفہ صرف اس قدر ہے تو مجھے حیرت ہے کہ اس بے بنیاد جذبہ نے کیونکر ایسی وسعت حاصل کرلی اور فطرت کیوں اپنی توہین گوارا کر رہی ہے۔ مگر آپ شہزادے ہیں اور آپ کے خیالات و جذبات بھی یقینی عام سطح سے بلند ہوں گے اس لئے شاید آپ کے حسنُ و جمال کا مفہوم اِس قدر ادنیٰ و پست نہ ہو گا۔"

نیرد بی:- "بے شک عام شاعروں کے ہاں اور معمولی انسانوں کے نزدیک حسنُ و جمال کا مفہوم وہی ہے جو تم نے ابھی ظاہر کیا، لیکن میں تو ان لوگوں میں ہوں جو صورت

سے زیادہ ادا کو دیکھتے ہیں۔ جو اعضاء کے حسن سے زیادہ اطوار کی دلفریبی پر فریفتہ ہوتے ہیں اور غالباً یہی وہ چیز ہے جو تجھ میں بدرجہ کمال پائی جاتی ہے۔"

دُردانہ۔" ادا! اطوار!! آہ، شاعروں اور عاشقوں کی اصطلاحیں سمجھنا بھی کس قدر دشوار ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ میرا ذہن ان دونوں کے مفہوم سے بھی بالکل خالی ہے اور شاید میں کبھی نہ سمجھ سکوں گی کہ ان کا حقیقی مطلب کیا ہے کیونکہ اس سے قبل بھی بارہا جب میں نے شاعروں کے کلام پر غور کیا تو میں باوجود کوشش کے کبھی نہ سمجھ سکی کہ ادا اور اس کے ساتھ بہت سے الفاظ مثلاً غمزہ، کرشمہ، عشوہ، ناز، تیور، چتون، بانکپن، چھبن وغیرہ کسے کہتے ہیں۔ اور ان میں کیا فرق ہے۔ آپ نے ابھی ادا اور اطوار کا ذکر کیا۔ اس لئے کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ اگر آپ نے میرے اندر ان باتوں کو دیکھ کر محبت کی ہے تو یہ چیزیں مجھ میں کہاں ہیں۔ ؟"

نیروبی۔" دُردانہ! تو یہ کیسی گفتگو کر رہی ہے۔ تجھ ایسی مکمل عورت جو یونانی انشاء عالیہ کی ماہر ہو۔ جو فنون لطیفہ میں اپنا نظیر نہ رکھتی ہو جو اچھی طرح اس کیفیت سے واقف ہو کہ سارا یونان اس کا فریفتہ ہے ایسی انجان بنجائے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں تو مجھ کو اس وقت بیوقوف بنا رہی ہے۔ اور پھر اے فتانۂ عالم مجھی سے پوچھتی ہے کہ ادا کسے کہتے ہیں۔ اچھا میں پوچھتا ہوں کہ تجھے چاندنی رات کیوں اچھی معلوم ہوتی ہے، تجھے اپنے بربط سے کیوں محبت ہے۔ تو موسیقی کی کیوں دلدادہ ہے۔ اگر تو کسی اور طرح نہیں سمجھ سکتی تو یوں سمجھ لے کہ تو میری چاندنی ہے۔ تو میری ہستی کا بربط ہے اور میری روح کو بیتاب کر دینے والا نغمہ شیریں۔"

دُردانہ۔" چاندنی تو مجھے اس لئے اچھی معلوم ہوتی ہے کہ میں اس میں

زیادہ جوش سے اپنے بربط کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکتی ہوں اور اپنے ساز موسیقی سے اس لئے لگاؤ ہے کہ یہ میری پرستش ہے۔ یوں سمجھ لو کہ چاندنی رات سنہرا فرش ہے، جس پر بیٹھنے کے بعد بربط کے تاروں پر میری انگلیوں کی لرزش اور گلے سے نکل کر آواز کی نیائیش عبادت بن جاتی ہے اور اگر میرے دل سے یہ کیفیت محو ہو جائے تو میرے لئے ان میں سے ایک چیز بھی توجہ کے قابل نہ رہے۔"

نیرو بی:" اے میرے دل کی دیوی! میں کبھی تجھ سے محبت نہیں کرتا بلکہ تجھے پوجتا ہوں۔ میں نے غلطی کی کہ اپنے حال کو "محبت" کے لفظ سے ظاہر کیا۔ اور اس سے زیادہ غلطی یہ کی کہ تجھے حسین و جمیل کے لقب سے یاد کیا۔ حالانکہ تو اس سے بھی بلند کوئی اور چیز ہے جس کے ظاہر کرنے کے لئے انسان کے الفاظ عاجز ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اگر میں کہہ سکتا ہوں تو صرف یہ کہ تو میری معبودہ ہے۔ تو میری دیوی ہے۔ اور میں تیرا پرستار ہوں، تیرا پجاری ہوں۔"

دُردانہ:" کیا یہ صحیح ہے؟ لیکن تم دردانہ کی پرستش کرتے ہو یا میری؟"

نیرو بی:" میں نہیں سمجھا، کیا دُردانہ اور تو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں؟"

دُردانہ:" ہاں دُردانہ نام ہے اس جسم کا جو اس وقت تمھیں نظر آرہا ہے۔ اور جو ہر وقت تغیر پسند و فنا پذیر ہے اور میں تو یہ جسم نہیں ہوں۔"

نیرو بی:" پھر کیا ہو؟"

دُردانہ:" میرا نام ہے فطرت کا، روح کا، وجدان کا۔ جس میں ہر وقت رفعت ہے، بلندی ہے۔ ارتقاء ہے۔"

نیرو بی:" تو پھر میں دُردانہ سے محبت نہیں کرتا۔ بلکہ تجھ سے۔ تجھی کو چاہتا ہوں۔"

دُردانہ:- "مگر ایک زمانہ آئے گا جب میری صورت خراب ہو جائیگی، دُردانہ بگردہ ہو جائے گی۔ کیا تم اس وقت بھی مجھ پر یہی محبت صرف کرد گے؟"

نیر دبیؔ:- "یقیناً"

دُردانہ:- "اچھا اگر یہ صحیح ہے تو پھر میرا فیصلہ یہی ہے کہ دُردانہ نیر دبیؔ کی ہو سکے یا نہ ہو سکے لیکن میں تمھاری ضرور رہوں اور پرسوں شام کو اسی خلوت گاہ میں اپنے آپکو تمھارے سپرد کر دوں گی۔"

نیر دبیؔ، اس وقت اپنے آپ کو صحیح معنی میں بادشاہ سمجھنے لگا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ دردانہ ایسی ہستی پر قابو پالینا گویا دنیا فتح کر لینا ہے۔ اس لئے وہ غیر معمولی مسرت و نشاط کی کیفیت لئے ہوئے واپس گیا اور انتظار کے دو دن گذارنا اسکے لئے دشوار ہو گیا۔

(۲)

آفتاب غروب ہو چکا تھا شفق کی روشنی ہاتھوں کی حنائی کی طرح آہستہ آہستہ مٹتی جا رہی تھی۔ اور نیر دبیؔ دو گھنٹے سے ساحل پر دردانہ کا انتظار کر رہا تھا کہ شام کے دُھندلکے میں کچھ فاصلے پر ایک نقاب پوش عورت آتی نظر آئی اور نیر دبی اس کے لینے کے لئے آگے بڑھا۔ اُس نے دُردانہ کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا، لیکن اس نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مگر وہ کچھ نہ بولی۔ اس نے اپنے جسم کو اس کے جسم سے ملا دیا لیکن وہ خاموش رہی۔ نیر دبیؔ کی مسرت کا اس وقت کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ کائنات کی تخلیق ہی صرف اس کی آرزوئیں پوری کرنے کے لئے ہوئی ہے اور آج اسے حق حاصل ہے کہ جس کو جس طرح چاہے چلائے۔

ساحل کی اس چٹان پر پہنچکر جہاں اب سے دو دن قبل عہد و پیمان ہوا تھا، دُرِ دانہ نیر دَبی سے علیحدہ ہو کر کھڑی ہو گئی اور بولی کہ تم میری آواز پہچانتے ہو؟" نیر دبی بولا، "کیوں نہیں، کیا کوئی شخص ایسی شیریں آواز کو ایک مرتبہ سننے کے بعد اپنے دماغ سے محو کر سکتا ہے"؟

دُرِ دانہ نے کہا، "تم میرے قد و قامت سے بھی مجھے جان سکتے ہو؟" نیر دبی نے کہا "خوب! کون ہے جو اس سرو خراماں کا نظارہ کرنے کے بعد پھر اُسے فراموش کر سکے"۔

دُرِ دانہ، "میں نے گذشتہ دو راتیں معبد کے اندر صرف اس دعا میں صرف کر دی ہیں کہ اگر نیر دبی واقعی صرف میری روح سے محبت کرتا ہے تو میری صورت میں کوئی تغیر ایسا کر دیا جائے جو دنیا کے اس سب سے زیادہ انوکھے عہد و پیمان کی یادگار بن سکے، اور مجھے یقین ہے کہ میری یہ دعا قبول ہوئی ہو گی۔ اس لئے میں نقاب الٹتی ہوں، میرے چہرے کو بھی دیکھ کر پہچان لو کہ واقعی میں دُرِ دانہ ہوں یا نہیں؟"

یہ کہہ کر جس وقت دُرِ دانہ نے اپنا نقاب اُلٹا اور نیر دبی کی نگاہ اس پر پڑی تو حیرت نے اس پر سکتہ طاری کر دیا۔ کیونکہ دُرِ دانہ کے حسین چہرے کے بجائے ایک ایسی کریہہ صورت اس کے سامنے تھی کہ مشکل سے وہ اس کو نگاہ بھر کر دیکھ سکتا تھا، تمام جلد پر گہرے چیچک کے داغ۔ ناک بیٹھی ہوئی۔ آنکھیں چھوٹی۔ بھویں ندارد۔ پیشانی تنگ۔ ہونٹ موٹے موٹے یہ تھا دُرِ دانہ کا چہرہ جو نیر دبی کو نظر آیا۔

دُرِ دانہ، دیر تک نیر دبی کی اس حیرت سے لطف اٹھاتی رہی اور پھر بولی "اے شہزادے جلدی کیجئے اور مجھے اپنے ساتھ لے چلئے میں آسمان و زمین کے پیدا کرنیوالے کے سامنے اس کے پاکیزہ و مقدس جنگل میں عہد کرنے آئی ہوں کہ میں ہمیشہ آپ کی ہو کر

رہوں گی، اور اپنی تمام روحانی برکتیں و لذتیں آپ کے لئے وقف کر دوں گی۔"

نیر دبی حیران تھا کہ سوائے چہرے کے یہ عورت اور سب طرح دردانہ ہی تھی۔ لیکن اس کی صورت میں یہ تغیر کیسے ہو گیا کیا واقعی اس کی دُعا قبول ہو گئی یا کسی اور عورت کو بھیجکر مجھے دھوکا دیا جا رہا ہے۔ وہ اس مسئلہ پر غور ہی کر رہا تھا کہ دردانہ نے پھر تقاضہ کیا اور بولی کہ" اے شہزادے یہ سکوت کیسا، یہ حیرت کیوں، اپنے وعدے کو بھول گئے۔ کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ میری پرستش کرتے ہو۔ ممکن ہے کہ میں دُردانہ نہ رہی ہوں۔ لیکن میں تو ہوں، پھر یہ پس و پیش کیا۔؟"

نیر دبی، جس کو اس کی گفتگو کا اب بالکل یقین ہو گیا تھا کہ واقعی دُردانہ ہے اس کی صورت حقیقتاً مسخ ہو گئی ہے۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا کہ اے دُردانہ! نہیں اب میں تجھے دُردانہ نہیں کہہ سکتا۔ اے عورت! معاف کر مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے اپنے جذبہ کا صحیح اندازہ نہیں کیا تھا اور ایک ایسا دعدہ کر لیا تھا جس کو اب میں پورا نہیں کر سکتا۔ جو ایسے کریہہ ملبوس میں ظاہر ہو۔ میں تجھے اپنی بیوی بنا کر کیونکر مخلوق کو اپنا چہرہ دکھا سکتا ہوں اور کس طرح اس تنفر و کراہت کو دور کر سکتا ہوں۔ جو تیری صورت دیکھ کر میرے دل میں پیدا ہوتی ہے ؟"

دُردانہ یہ سن کر ہنسی اور بولی کہ" اے شہزادے تمھاری خوشی، میں نے تم کو مجبور نہیں کیا تھا۔ بلکہ تمھیں نے میرے سامنے التجا پیش کی تھی۔ اس لئے یاد رکھو کہ اگر آئندہ کبھی تمھیں نقضِ عہد پر افسوس کرنا پڑے تو اس کا الزام مجھ پر نہ رکھنا"

دُردانہ نے یہ کہا اور نقاب ڈال کر وہاں سے چل دی۔

(۳)

گذشتہ واقعہ کو دو ماہ کا زمانہ گذر گیا ہے، اور خانقاہِ زہرہ کے احاطے میں کسی مخصوص تقریب کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ معبد زہرہ میں یہ رسم نہایت پابندی کے ساتھ جاری تھی کہ جس وقت کسی کنواری کی عمر ۱۹ سال کی ہو جاتی تھی تو عام جلسہ کیا جاتا تھا اور اس کو انتخاب شوہر کی اجازت دی جاتی تھی۔ چنانچہ آج دردانہ اپنی عمر کے انیس ۱۹ سال پورے کر چکی تھی اور اس کو خانقاہ کی پرستارانہ زندگی ترک کر کے متاہل زندگی میں داخل ہونا تھا۔

چونکہ دُردانہ کے حسن و جمال، فضل و کمال کا بہت شہرہ تھا، اور اس تاریخ کا اعلان تمام قرب و جوار کے ملکوں میں بھی کر دیا گیا تھا۔ اس لئے خواہشمندوں کا ہجوم بہت تھا۔ اور ہر ملک کا امیر زادہ بہترین ہدایا لے کر حاضر ہوا تھا۔ نیر عربی اس رات کی صبح ہی کو اپنا غم و غصہ دور کرنے شکار کے لئے چلا گیا تھا اور پورے دو ماہ کے بعد اس رات کو واپس آیا جس کی صبح کو یہ تقریب عمل میں آنے والی تھی۔

اس نے سُنا اور اپنے جی میں ہنسا کہ دیکھئے وہ کون بد قسمت ہے جو دُردانہ کی شہرت جمال سے دھوکا کھا کر اس عذاب کو مول لے گا۔ صبح کو وہ بھی تماشہ دیکھنے گیا لیکن لوگوں کو سخت تعجب ہوا، جب انھوں نے سنا کہ نیر عربی جو دُردانہ کا حد درجہ شیفتہ تھا کوئی ہدیہ لیکر نہیں آیا اور فہرست میں اپنا نام بھی درج نہیں کرایا۔ کوئی پوچھتا بھی تو ہنس دیتا اور کہتا کہ "ہاں دردانہ کی خواہش اب میرے دل کے اندر مردہ ہو گئی ہے"۔ لیکن جب اس سے زیادہ اصرار کیا گیا تو اس نے اپنے بعض احباب سے اصل واقعہ بھی بتا دیا اور رفتہ رفتہ یہ خبر دوپہر تک پوری طرح منتشر ہو گئی اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ فکر مند نظر آنے لگا۔ خانقاہ کے پجاریوں سے دریافت

کیا گیا، وہاں کی کنواریوں سے جستجو کی گئی، لیکن سب نے یہی جواب دیا کہ اب سے دو ماہ قبل تو دُردانہ کی صورت نہایت اچھی تھی لیکن گذشتہ دو مہینہ کے اندر اس نے اپنے چہرے کا نقاب بہت سنگین کر دیا ہے اور کسی کو اس کی صورت دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ ممکن ہے کہ دیوی نے اس کی صورت مسخ کر دی ہو اور اس کے چھپانے کے لئے وہ اپنی صورت دکھانے سے احتراز کرتی ہو۔ رفتہ رفتہ یہ خبر اس قدر عام ہوئی اور اس درجہ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ سب نے اپنی اپنی خواہشیں واپس لے لیں، اور شام کو جب صحن خانقاہ میں زریں تخت پر دردانہ بیٹھی تاکہ ہر خواہشمند سامنے آکر اپنی التجا پیش کرے اور وہ اس کا جواب دے تو ایک متنفس بھی سامنے نہ آیا۔ نام پکارا جاتا تھا۔ لیکن مجمع سے نکل کر کوئی شخص آگے نہ بڑھتا تھا یہانتک کہ ایک ایک کر کے سارے نام ختم ہو گئے۔ فہرست میں اب صرف ایک نام رہ گیا تھا جو سب سے آخر میں اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہ ایک نہایت ہی معمولی کسان کے لڑکے کا تھا۔ جب سب نام ختم ہو گئے تو اس کا نام بھی پکارا گیا۔ اور وہ ڈرتا کانپتا آگے بڑھا اور تخت کے پاس پہنچکر بولا کہ " اے دُردانہ! میں نے تیری خواہش اس لئے نہیں کی کہ تو حسین و جمیل ہے بلکہ صرف اس لئے کی تھی کہ دنیا میں مجھے ایک روح کی ضرورت تھی جو میری روح کی تڑپ کو دور کر دے اور مجھے سچی پرستش کا سبق دے۔ میں نے سنا تھا کہ تو بڑی بلند فطرت رکھتی ہے اور تیری پوجا سے زہرہ کی خانقاہ جگمگا اٹھتی ہے۔ پھر یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ اس نے تیرا ظاہری حسن و جمال چھین لیا۔ اور کوئی نوجوان تیرے ہاتھ کا خواہاں آگے نہ بڑھا۔ یہانتک کہ میرا نام پکارے جانے کی نوبت آئی۔ اس لئے میں حاضر ہوا ہوں۔ کیا تیری پاکیزہ روح میری آلودہ روح کے اتصال کو گوارہ کر سکے گی۔ ؟"

مجمع پر ایک سکوت طاری تھا، اور ہر شخص منتظر تھا کہ دیکھئے دُردانہ کیا جواب دیتی ہے۔ کہ نقاب کے اندر سے ایک نازک شیریں آواز آئی :-

"اے اجنبی! چونکہ تو صرف میری فطرت کا گرویدہ ہو کر آیا ہے۔ اس لئے یقیناً میں تیری خواہش کو رد نہ کروں گی"

اور یہ کہہ کر اس نے نقاب اُٹھا دیا۔ کیونکہ انتخاب کی رسم ادا ہونے کے بعد ایسا کرنا ضروری تھا۔ لیکن نقاب کا اٹھنا تھا کہ سارے مجمع میں ہلچل مچ گئی۔ کیونکہ اس وقت دُردانہ بالکل چودھویں کا چاند معلوم ہوتی تھی اور اس کے حسن وجمال کی تاب نظارہ بھی لوگوں میں نہ تھی۔

نیر دبی، دیوانہ وار آگے بڑھا اور بولا "اے دُردانہ! یہ کیا، ایسا سخت فریب!!"

دُردانہ مسکرا کر بولی "فریب تو تیری ہی مکروہ فطرت کا تھا۔ جس نے اپنی صورت کو میرے چہرے میں مشاہدہ کیا، ورنہ میں تو جیسی اب ہوں ویسی ہی اس وقت بھی تھی"

یہ کہہ کر دُردانہ اٹھی اور کسان کے لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر اس گاؤں میں چلی گئی جہاں وہ رہتا تھا۔

نیر دبی جس وقت دیوانہ وار دُردانہ کے حجرے میں پہنچا تو وہاں اس کی کوئی چیز اُسے نظر نہ آئی، مگر ایک مومی چہرہ جس پر نہایت ہی بدنما خط و خال بنے ہوئے تھے اور جسے اس نے اس دن واقعی دُردانہ کا حقیقی چہرہ سمجھ کر نفرت کا اظہار کیا تھا۔

دُنیا کا اوّلین بُت ساز

(۱)

زرقا کی خاموش زندگی جس کی ابتدا، خود اسے بھی معلوم نہ تھی، اور جو جابلقا کے سنگستان میں اس طرح گذر رہی تھی جیسے ایک سایۂ متحرک یا ایک غیر محسوس آوازِ بازگشت اب اپنے اندر کوئی انقلاب پیدا کرنا چاہتی تھی۔ خواہ وہ انقلاب سمندر کی اسی پرشور موج سے کیوں نہ حاصل ہو، جو روز اس کے ساحل اور غار کے سپید پتھروں سے ٹکرا کر بکھر جاتی تھی۔

زرقا طلوع و غروب کے ارغوانی مناظر میں اب ایک خونین کیفیت محسوس کرتا تھا اور چاند اسے ایسا نظر آتا تھا جیسے کوئی عریاں لاش، جنگل کی چڑیاں جو اس کے چاروں طرف جھاڑیوں اور درختوں میں چہچہایا کرتی تھیں۔ اس کے دماغ کے لئے کوئی نغمہ فراہم نہ کر سکتی تھیں۔ کیونکہ اب وہ شیریں سے شیریں آوازیں اپنے لئے ایک طعن محسوس کرتا تھا اور الجھنے لگتا تھا۔ سمندر کی خوشگوار اور لطیف ہوا جو ہر وقت موجوں کی چادر کو تہہ کر کے کھول دینے کا دلچسپ منظر پیش کیا کرتی تھی۔ زرقا کے لئے گویا چینِ پیشانی تھی۔

الغرض اب وہ اس زمین و آسمان، آب و ہوا، اس صبح و شام، اس رات دن

یہاں تک کہ خود اپنی سانس کی یکساں آمد و شد سے بیزار ہو گیا تھا۔ اور غار کے دروازے پر ہر وقت ملول و غمگین بیٹھا رہتا تھا۔

وہ کیا چاہتا تھا۔ اسے کس چیز نے رنج پہنچا رکھا تھا اسے کس چیز کی تلاش تھی یہ خود اس کو بھی معلوم نہ تھا۔

(۲)

زرقا، ایک صبح حسب معمول عالم محویت و استغراق میں (گویا کہ وہ ایک بت ہو) سنگِ مرمر کی چٹان پر بیٹھا ہوا، ایک دوسرے پتھر سے اس کو ضرب پہنچا رہا تھا کہ دفعتاً وہ چونک پڑا۔ اس نے دیکھا کہ مرمر میں اس کے طرزِ عمل سے ایک انسانی چہرہ بن گیا ہے۔ جو بے انتہا حسین و دلکش ہے۔ اس چہرے میں ایک خاص بات تھی۔ ایک ایسی بات جو اس نے اپنے چہرے میں نہیں پائی۔ ایک عجیب دلکشی تھی وہ دلکشی جس سے خود اس کا چہرہ بالکل محروم تھا۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہا اور شب و روز کی محنت سے چند دن میں ایک عورت کا ایسا حسین مجسمہ تیار ہو گیا کہ جب کبھی تھک جانے کے بعد اس کو نیند آجاتی تو وہ اسے خواب میں چلتا پھرتا، ہنستا بولتا اور ساری روح کو اس کے نورانی چہرے کے عکس سے منور اور درخشاں پاتا تھا وہ چونک پڑتا اور اسی عالم استغراق میں اپنے ہاتھ سے اس کو چھوتا۔ اپنے لبوں سے مس کرتا لیکن وہ یہ دیکھ کر مضمحل ہو جاتا کہ اس کا بدن ٹھنڈا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں بدستور سنگین۔

وہ کس قدر بیتاب تھا کہ اس مجسمہ سے کچھ بات کرے اور وہ جواب دے

اس کو اپنی آغوش میں لے اور اس کا بدن لچک جائے۔ اس سے کچھ کہے اور وہ ہنسنے لگے، اکثر اوقات وہ اس خیال سے اس حد تک متاثر ہو جاتا کہ واقعی اسے زندہ سمجھنے لگتا اور اس کے پاس جاکر پوچھتا کہ:۔

"تیرے لب کیوں نہیں کھلتے۔ کیا مجھ سے برہم ہے؟"

(۳)

مہینوں گذر گئے اور زرقا سے اس سنگین عورت نے ایک بات بھی نہیں کی اب اس کا یہ شوق جنون کی اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ اپنی اس التجا کو آسمان و زمین کی ہر چیز کے سامنے پیش کر کے رویا کرتا تھا۔

ایک رات جب چاند اپنے پورے عروج اور شباب پر تھا تو زرقا اس سے شکایت کرنے لگا کہ:۔

"اے آسمان کی حسین ملکہ تو ہی انصاف کر کہ یہ مجھ سے کیوں بات نہیں کرتی یہ ساحل کی ایک چٹان میں پڑی سو رہی تھی کہ میں نے اس کو جگایا۔ میں نے اس کا سنگین نقاب دور کیا۔ اگر اس میں کوئی برہم ہو جانے کی وجہ ہے تو یہ سارا کوہستان تجھ سے کیوں خفا نہیں ہو جاتا۔ کہ تو نور کی سیاہ چادر چھین کر اس کو عریاں کر دیتی ہے۔ یہ سارا سمندر تجھ سے کیوں نہیں روٹھ جاتا کہ تو اس کی نقاب شب ہٹا کر برہنہ کر دیتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تجھے دیکھ کر جنگل کے درخت سمندر کی موجیں، سب ہی جنبش میں آجاتے ہیں۔ پھر اے دیوی! کیا یہ تیری حیات فرمائیاں میرے درد کی دوا نہیں ہو سکتیں۔ کیا تیری چاندنی میں یونہی

ہمیشہ تڑپا کروں۔ اگر یہی مرضی ہے تو مجھے بھی سمندر کی ایک مچھلی بنا دے

کیا تیری روشنی میں یونہی ہمیشہ رویا کروں۔ اگر تیری یہی خواہش ہے تو

مجھے بھی کسی چھوٹی سی موج میں تبدیل کر دے۔"

زرقا یونہی دیر تک کہتا اور روتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھ لگ گئی، صبح کو جاگا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اس نے دیکھا کہ مجسمہ کا کچھ رنگ بدل گیا ہے اور اس کا جسم اس قدر سخت نہیں رہا کہ اسے سنگین کہہ سکیں، وہ دبانے سے لچک جاتا تھا اور اس قدر نرم ہو گیا تھا جیسے کیلے کا تنا۔

(۴)

شام کو آفتاب نے جب دنیا سے رخصت ہونے کے لئے اپنے ارغوانی دامن کو تمام کوہ و دشت میں پھیلا دیا تو زرقا نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اے آسمان و زمین کے بادشاہ! اب میں اپنی التجائیں تیرے پاس لے کر آیا ہوں۔ رات کی ملکہ نے میرے اوپر جو عنایت کی ہے وہ تجھ سے پوشیدہ نہیں اور شاید اس سے زیادہ اس کے بس کی بات نہ تھی۔ لیکن تو چاہے تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ تیرے دامن سے میں صرف تھوڑا سا رنگ چاہتا ہوں اور ذرا سی گرمی، اور اگر تو عنایت کرے تو کچھ وہ چیز بھی جس سے تو جنگلوں میں پھلوں کو پختہ کرتا ہے اور سنہرا۔"

زرقا یہ کہتا ہی رہا اور آفتاب غائب ہو گیا، لیکن وہ دیوانہ وار اچھل پڑا جب اس نے مجسمہ کے رخسار اور سارے جسم میں خون سا دوڑتے ہوئے محسوس

کیا اور اس کے سینے میں نارنگی کا گداز۔

(۵)

مجسمہ میں ہر تغیر کے ساتھ زرقا کی بیتابیاں بڑھتی جا رہی تھیں اور اب وہ اپنی التجائیں ہر ہر ذرہ کے سامنے پیش کر رہا تھا، نسیم صبح سے اس نے درخواست کی، تاروں کے سامنے وہ گڑگڑایا۔ رات سے اس نے خطاب کیا۔ دن کی روشنی سے اس نے التجا کی۔ الغرض جب ایک صبح وہ اپنی التجاؤں کے ساتھ قریب قریب اپنی ساری روح صرف کر چکا تو بے ہوش ہو گیا۔ لیکن جب اس کو ہوش آیا تو اس حال میں کہ وہ مجسمہ اپنی جگہ پر نہ تھا بلکہ سرہانے ایک نہایت حسین عورت بیٹھی ہوئی اس کے منتشر بالوں سے کھیل رہی تھی۔

(۶)

زرقا کو اس عورت کے ساتھ زندگی بسر کرتے ایک زمانہ گذر گیا۔ یہاں تک کہ اس کی ساری مسرتیں اس کے لئے عادت ہو گئیں اور اسکا ولولہ و شوق روز کا معمول۔ یا تو اول اول محبت و پرستاری کا یہ عالم تھا کہ کسی وقت اس کو نگاہوں کے سامنے سے ہٹنے نہیں دیتا تھا۔ کوئی لمحہ ایسا نہ ہوتا تھا جس کو وہ اپنی محبت کے اظہار سے بیگانہ گذر جانے دیتا۔ یا رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ وہ گھنٹوں خاموش رہتا۔ دن بھر اسے پروا نہ ہوتی کہ وہ کس حال میں ہے اور کیا کر رہی ہے۔ آہستہ آہستہ بے پروائی نفرت میں تبدیل ہونے لگی اور اب زرقا اس سے برہم ہونے کے لئے اسباب تلاش کرنے لگا

اگر جنگل سے پھل لانے میں اسے کچھ دیر ہو جاتی تو زرقا اس سے خفا ہو جاتا، اور اگر اس سے خدمت میں ذرا بھی تامل ہوتا تو زرقا بہت سختی سے پیش آتا۔ یقیناً زرقا کو اس کے ساتھ محبت تھی لیکن اس کی معیت میں چونکہ کوئی نئی بات نہ تھی، اور وہ اس کی ساری لذتوں سے سیر ہو چکا تھا۔ اس لئے زرقا (جیسا کہ مرد کی عادت ہے) اس کی طرف سے بیزار ہو گیا۔ ادھر زرقا کے ہر طرزِ عمل کے ساتھ اس میں ایک غیر محسوس تغیر ہوتا جاتا تھا۔ اور اس کی ساری تازگی و شگفتگی مضمحل ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک دن زرقا نے انتہائی غیظ و غضب کی حالت میں اس کو مارا تو دفعتاً اس کی نگاہوں سے ایک پردہ سا اُٹھ گیا۔ کیونکہ اس کا ہاتھ کسی ایسی چیز پر لگا جیسے پتھر کی ہو، اور اس کے سخت چوٹ آئی۔ وہ عورت اب پھر مجسمہ ہو گئی تھی اور اس کی سنگینی کا وہی عالم تھا جو ابتدائے زمانے میں پایا جاتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ زرقا وہیں سر پٹک پٹک کر مر گیا۔ لیکن مجسمہ میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی

(۷)

"اگر عورت کو خود مرد سنگ دل بنا دے تو پھر اس کی تلافی مرد کے جان دینے سے بھی نہیں ہو سکتی۔" یہ ہے وہ تحریر جو اب تک اس مجسمہ کے نیچے کندہ پائی جاتی ہے۔

زُہرہ کا ایک پُجاری

یونان کے اس عہد حسن وعشق میں جب وہاں کا ذرہ ذرہ، خردہ مینا کا حکم رکھتا تھا، یوں تو ہمیشہ، ہر روز محبت کا دیوتا کسی نہ کسی نئی شان میں جلوہ گر ہوا کرتا تھا، اور کوئی لمحہ ایسا نہ ہوتا تھا جو پرستش حسن کے نقوش سے خالی گذر جاتا ہو۔ لیکن دنیا کی تاریخ یقیناً اس ساعت کی یاد کو محو نہیں کر سکتی جب ایتھنس کے ایک غریب کسان کے گھر میں سارفخا اکی صورت میں۔

صبح کا وقت تھا، بہار کی خشک ہوا پھولوں کی خوشبو سے لبریز آہستہ آہستہ چل رہی تھی آفتاب کی گرم ونرم شعاعیں شبنم کے قطروں میں جگمگاہٹ پیدا کر کے درختوں کو بادلہ کا لباس پہنا رہی تھیں اور چڑیاں اپنے نغمہ ہائے رنگا رنگ سے فضا کے سکوت میں موسیقی کی غیر مرئی امواج پیدا کر رہی تھیں کہ زہرہ کا معبد جو بلند پہاڑی پر ایک نہر کے کنارے پھولوں کے کنج میں قائم تھا کھلا اور وہاں کی کنواریوں نے اپنے دف لے لے کر گانا شروع کیا۔ یہ گویا اعلان تھا اس بات کا کہ زہرہ خواب سے بیدار ہو چکی ہے اور پجاریوں کی نذریں قبول کرنے کے لئے اس کے معبد کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔

اس اعلان کے بعد لوگ جلدی جلدی ضروری کاموں سے فراغت حاصل کر کے اس طرف دوڑ پڑتے تھے۔ اور اس طرح صبح سے لیکر شام تک گویا وہاں میلہ سا لگا رہتا

تھا اور کوئی کنج ایسا نہ رہ جاتا تھا۔ جو عشق کی فتادگیوں اور حسن کی بے نیازیوں سے معمور نہ ہو جاتا ہو۔ پھر چونکہ شاہ و گدا، امیر و غریب۔ سب اس دربار میں برابر تھے اس لئے عشق و محبت نے بھی یہاں اس امتیاز کو مٹا دیا تھا۔ اور اگر کسی گوشے میں کوئی کسان کا لڑکا امیر کی بیٹی کے سامنے اپنی التجائے محبت پیش کرتا ہوا نظر آتا تھا تو دوسرے گوشے میں ایک رئیس کا بیٹا کسی غریب مزدور کی لڑکی کے سامنے اپنے ہدایائے عشق پیش کرنے میں تامل نہ کرتا تھا۔

دن کے دس بج چکے تھے، ہنگامہ شباب پر تھا۔ موسیقی سے سارا صحرا گونج رہا تھا۔ پھولوں کی کثرت سے معبد کا راستہ ڈھک گیا تھا اور دوپہر کے لئے معبد کا دروازہ بند ہونے ہی والا تھا کہ سارو خا کا باپ مع اپنی بیوی کے نوزائیدہ بچے کو آغوش میں لئے ہوئے آیا۔ زہرہ کے بت کے آگے سر بسجود ہو گیا۔ اس کی بیوی نے بھی سر جھکا دیا

اے دیوی! اے زمین و آسمان کی ملکہ!! میں آج وہی چیز تیری نذر کے لئے لائی ہوں جو تیرے ہی لطف کرم سے ہمیں ملی تھی، تو واقف ہے اور نہ واقف ہوگی تو اور کون ہو سکتا ہے کہ میری زندگی اس وقت تک نامرادانہ بسر ہوئی ہے اور باوجودیکہ تو نے ہمیشہ میری التجاؤں کو سن کر انھیں بارآور کیا۔ اور ہر مرتبہ میری آغوش کو آباد۔ لیکن میری بدبختی کہ ہر مرتبہ میری گود اُجڑی اور میں صبر کر کے خاموش بیٹھ گئی۔ تجھ سے میں نے کبھی نہیں کہا کیونکہ مالک کی شکایت کرنا میرا ایمان نہیں۔ لیکن جب دل اجڑ جاتا ہے تو منھ سے فریاد نکل ہی جاتی ہے، بار بار ویرانی نے مجھے دیوانہ بنا دیا۔ اور آخر کار میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوئی کہ شاید تجھے ایک غریب کسان کے حال پر رحم کرنے کی فرصت نہیں۔ تجھے اختیار

جو مزاج میں آئے میرے لئے تجویز کر دے۔ لیکن تجھ سے کہوں گی تو جھوٹ نہ
بولوں گی۔ یہ خلش ضرور میرے دل میں تھی کہ پھر پانچویں مرتبہ میری امید نے
صورت اختیار کی اور وہ صورت یہی ہے جو تیرے قدموں پر پڑی ہوئی ہے
پھر چونکہ اب امید کو بلند کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے اس لئے میں تیری امانت
تیرے ہی پاس لائی ہوں کہ تو ہی اس کی پرورش کر اور تو ہی اس کو اپنی غلامی میں
میں قبول کر کے مستقبل کے اندیشہ سے مجھے آزاد کر دے۔"

یہ کہہ کر سارہ خا کی ماں نے بچہ کو گود میں لے لیا اور سات مرتبہ بت کا طواف کر کے قربان گاہ پر اس کو رکھ دیا۔ جس کے چاروں طرف عود دان سے اب بھی بخور کی خوشبو بلند ہو رہی تھی۔

معبد زہرہ میں یہ رسم جاری تھی کہ جب کوئی بچہ اس طرح پیش ہوتا تو وہیں کنواریوں کے سپرد کر دیا جاتا۔ اور اس کی پرورش کرنا ان کا فرض ہوتا۔ چنانچہ کم و بیش دس بارہ بچے ہر وقت خانقاہ میں رہتے تھے اور ان کے مصارف کے لئے حکومت سے روزینہ مقرر تھا جو باقاعدہ ادا ہوتا رہتا تھا۔

جس وقت سارہ خا کی ماں قربان گاہ میں ڈال کر با چشم نمناک باہر نکلی تو وہاں ایک پجاری عورت جو خانقاہ کی مہتمہ تھی آئی اور زہرہ کے قدموں سے صندل لے کر اس کے جسم پر ملا اور وہاں کی کنواریوں میں سے ایک کا انتخاب کر کے بچہ اس کے سپرد کیا۔ اور بولی کہ بچہ اس قدر حسین نہ ہوتا تو میں تمہارا انتخاب نہ کرتی۔ اس لئے اسکی نگہداشت حقیقتاً تمہارے اپنے حسن کی نگہداشت ہے۔ جاؤ لے جاؤ اور دیوی کے اس عطیہ کی عزت کرو۔"

گذشتہ واقعہ کو ۱۸ سال کا زمانہ گذر گیا ہے۔ اور اس عرصہ میں معبد زہرہ میں خدا جانے کتنے بچوں کی نذریں پیش کی گئیں اور ان میں سے خدا معلوم کتنے فنا ہو گئے لیکن سارو خاجب سے آیا تھا اس وقت سے لے کر ۱۸ سال کی عمر تک اسکے طبعی نشو نما میں کوئی چیز حائل نہیں ہوئی اور وہ زہرہ کے فرح بخش معبد کے معدود۔ اس کے عشق نواز صحرا اور حسن پرور کنجوں میں بڑھتا رہا گویا کہ وہ جنگلی گلاب کا پھول تھا۔

قاعدہ تھا کہ معبد کے نذر شدہ لڑکوں اور لڑکیوں کو سوائے گانے اور نے نوازی کے اور کوئی تعلیم نہ دی جاتی تھی۔ چنانچہ وہاں کے ماہرین موسیقی نے اس کو بھی یہی سکھایا اور اس درجہ تکمیل کے ساتھ کہ ان کے پاس کوئی نیا راگ اسکی تعلیم کے لئے باقی نہیں رہا۔ وہ فطرت کی طرف سے ایسا صحیح ذوق موسیقی کا لایا تھا کہ چند سال میں اس نے سب کچھ سیکھ لیا اور خود اسمیں ایسی ایسی اختراعیں کرنے لگا کہ بعض اوقات اساتذۂ فن اسکی ذہانت کو دیکھکر متحیر رہ جاتے تھے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ قابل قدر چیز جس کو اس نے بغیر کسی ہدایت کے خود فطرت کی مدد سے حاصل کیا تھا اس کا ذوق شعری تھا۔ وہ گھنٹوں مندر کے اندر تنہا بیٹھا رہتا۔ کسی فکر میں مستغرق، کسی خیال میں منہمک، اور جب باہر نکلتا تو اس کے چہرے پر خاص چمک ہوتی۔ آنکھوں میں عجیب وغریب روشنی ہوتی۔ رفتار میں خاص قسم کا مستانہ پن ہوتا۔ وہ دل ہی دل میں مدہوشانہ پہروں اپنے کہے ہوئے شعر گن گنایا کرتا، اور جب رات کو وہ اپنی بانسری کے ساتھ معبد زہرہ کے سامنے ان کو گاتا، اپنی روح کو موسیقی کے لباس میں پیش کرتا تو ہر سننے والا اپنی جگہ کانپ کانپ جاتا اور ایسا محسوس کرتا کہ شاید دیوی زہرہ اب اپنی جگہ سے اٹھنے ہی والی ہے۔

رفتہ رفتہ سارد خا کے اس کمال کی شہرت گھر گھر پھیل گئی اور چند دن میں یہ عالم ہو گیا کہ شہر ایتھنس کی ہر لڑکی اس کے گانے پر دم دینے لگی۔ اور معبد میں زائرین کا اس قدر ہجوم ہونے لگا کہ وہ مشکل سے پہاڑی کے دامن میں سما سکتے تھے۔ سارد خا کے بڑے بڑے بال جو اس کی خوبصورت مرمریں گردن پر لمبے شہار حلقوں اور نرم نرم چھلوں کی صورت میں پڑے رہتے تھے۔ اس کا صحیح و توانا جسم جس کے اندر شباب نے اپنا مخصوص رنگ بھر کر یکسر پینائے رنگین بنا دیا تھا۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جن سے زہرہ ہر وقت افسوں کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس کا سڈول جسم جس کے ہر ہر عضو سے بہار کی شگفتگی کا مفہوم پیدا تھا۔ اور اس کی سنجیدگی و متانت جو ہر شخص کو اپنے سامنے جھک جانے پر مجبور کر دیتی تھی۔ یہ تمام باتیں بجائے خود اس میں اس قدر تکمیل کے ساتھ پائی جاتی تھیں کہ اگر ان میں کسی اور چیز کا اضافہ نہ ہوتا تو بھی وہ طبقہ لطیف کے ایک ایک فرد سے اپنی پرستش کرا سکتا تھا۔ لیکن اس کی شاعری و موسیقی نے تو اس کے اندر اس بلا کی کشش پیدا کر دی تھی کہ اس کے سامنے پہنچکر اپنے آپ پر قابو رکھنا مشکل ہو جاتا تھا، اور اتھنیس کی لڑکیاں باوجودیکہ ان کا نشو نما حسن و عشق ہی کے سائے میں ہوتا ہے، حیران تھیں کہ سارد خا کے ساتھ جذبۂ محبت کیونکہ وابستہ ہو سکتا ہے۔

اول اول تو سارد خا نے انتہائی معصومیت سے یہ سمجھا ہی نہیں کہ وہ مرکز کشش ہو گیا، علی الخصوص عورتوں کے لئے جو نہایت حریصانہ آمادگی کے ساتھ اس کو دیکھنے اور سننے کے لئے جمع ہو جاتی تھیں۔ لیکن ایک رات جب وہ مندر کے اندر سب سے انتہا ہجوم میں اپنے کہے ہوئے یہ شعر گا رہا تھا ؎

اے ملکہ! میں تجھے کیسے پوجوں؟ اپنے جذبۂ پرستاری کی آگ کو کیونکر ٹھنڈا

کروں جب جنگل کی خار دار جھاڑیوں میں کسی کانٹے سے چبھ کر میرے جسم پر خون کا کوئی قطرہ نظر آجاتا ہے۔ تو میں کانپ اٹھتا ہوں کہ وہ چیز جس کو تیرے کام آنا چاہئے تھا یوں بیکار ضائع ہوگئی۔ پھر اسے تو وہ کہ تیرے قدموں میں تڑپ تڑپ کر جاں دیدینا ایک مکمل نشاط زندگی ہے۔ کیوں نہیں اپنی امانت مجھ سے لے لیتی کہ اب اس کے بار سے میرا سینہ شق ہوا جاتا ہے۔"

تو چند نوجوان لڑکیوں نے بے اختیار ہو کر اس کا منہ چوم لیا (کیونکہ مندر کے اندر جاذبیت کے عالم میں اس طرز عمل کی اجازت تھی) اور اسی وقت سب سے پہلے اسے یہ معلوم ہوا کہ پوجنے کی طرح پوجے جانے میں بھی لذت ہے۔ اور جس وقت عورت کی طرف سے یہ جذبہ پیش کیا جاتا ہے تو اس میں ایک خاص قسم کا نشہ بھی ہوتا ہے۔ چونکہ رسم وقاعدہ کے لحاظ سے اس کو اس طرز عمل پر خاموش رہنا چاہئے تھا۔ اس لئے وہ بولا تو کچھ نہیں۔ لیکن اس نے بہ ضرور محسوس کیا کہ تھوڑی دیر کے لئے زہرہ کی طرف سے اس کا خیال ہٹ گیا تھا۔ اور اس لئے وہ اس کے بعد اسی طرح مضمحل ہوگیا جیسے گلاب کا پھول ہاتھوں کے مس سے مرجھا جائے۔

(۳)

جن حالات کے تحت سارو خاکی پرورش ہوئی تھی اور جن سادہ داعیات فطرت کے ساتھ وہ اپنے شباب کی حد تک پہنچا تھا۔ ان کا اقتضاء یہی ہونا چاہئے تھا کہ وہ صحیح معنی میں راہبانہ زندگی بسر کرے اور سوائے اس دیوی کے خیال کے جس کی خانقاہ میں اس نے ہوش سنبھالا تھا اور تمام دنیاوی جذبات وخواہشات کو بالکل محو کردے، اور

کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہ ہوتا لیکن اسے کیا خبر تھی کہ دنیا میں انسانی زندگی
پر ایک ایسی ساعت بھی آتی ہے جب ایک لمحہ کے لئے وہ اپنا وزن۔ اپنی حقیقت کا علم حاصل
کرنے کے لئے ٹھہر جاتی ہے اور یہ لمحہ اس قدر ہوشربا، اس قدر سحر انگیز ہوتا ہے کہ اسکی
لذت سے مسحور و مغلوب ہو جانے کے کو بے اختیار جی چاہنے لگتا ہے۔ اور پھر انسان کا
سارا ماضی و مستقبل اسی لمحہ میں تبدیل ہو جانے کے لئے حال بن کر رہ جاتا ہے۔ جس وقت
تک ایتھنس کی عورتوں نے دور ہی دور سے اپنے جذبات صرف نگاہوں کے ذریعہ
سے پہنچانے کی کوشش کی۔ سارو خا نے پروا نہیں کی۔ لیکن جب اس میں ناکام رہنے
کے بعد انھوں نے زیادہ بے صبری سے کام لیا۔ اور اس کے جسم تک پہنچنے کی جسارتیں
کرنے لگیں تو وہ بے چین ہو گیا اور محسوس کرنے لگا کہ اس کی روح بلندی سے نیچے کیطرف
گر رہی ہے اور اس کی شاعری و موسیقی کی قوت میں اضمحلال پیدا ہونے لگا ہے اس لئے وہ
اب بہت فکر مند رہتا اور گھنٹوں سوچا کرتا کہ دنیا میں یہ مرد و عورت کی تفریق کیوں ہے اور
اگر اس سے کوئی خاص مدعا نہیں ہے تو پھر قدرت نے یہ فرق و امتیاز کیوں رکھا ہے؛
لیکن یہ مدعا کیا ہو سکتا ہے؟ اس کو وہ نہ سمجھتا تھا اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتا تھا،
اس حال میں مہینوں گذر گئے اور معبد میں پابندی کے ساتھ حاضری دینا بھی
اس نے ترک کر دیا۔ لیکن اس سے لوگوں کے شوق میں اور زیادہ شدت پیدا ہو گئی اور
آخر کار رفتہ رفتہ یہ خبر شاہ یونان کی بیٹی سلینا کو بھی پہنچی کہ سارو خا جس کے حسن و شباب،
شاعری و نغمہ سرائی نے قیامت برپا کر رکھی ہے آج کل کچھ مضمحل ہے اور بہت کم معبد
میں نظر آتا ہے۔
سلینا نے اس سے قبل بارہا چاہا کہ وہ سارو خا کو دیکھے، اس کا گانا سنے۔ لیکن چونکہ

حسب قاعدہ نہ وہ معبد کے کسی پجاری کو طلب کر سکتی تھی اور نہ خود سال میں دو مرتبہ سے زائد وہاں جا سکتی تھی۔ اس لئے اس کی آرزو پوری نہ ہوئی اور جب اس کے معبد آنے کا زمانہ قریب آیا تو معلوم ہوا کہ سارو خا نے وہاں کی حاضری ترک کر دی ہے۔ اس نے معبد کے مہتمم سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی سارو خا چند دن سے بہت مضمحل ہے اور ہر وقت خاموش رہتا ہے۔ پوچھا جاتا ہے تو بھی سوائے خاموشی کے کوئی جواب نہیں ملتا۔ سلیخا نے پھر کہلا بھیجا کہ "جو کچھ ہو میری حاضری کے دن سارو خا کا معبد میں حاضر ہو کر گانا ضروری ہے۔ کیونکہ میں نے اس کے گانے کی بہت شہرت سنی ہے، اور اگر اس دفعہ میں کامیاب نہ ہوئی تو چھ ماہ کے لئے پھر مجھے کوئی موقع نہ ملے گا۔"

لیکن یہ بھی سلیخا کی خوش قسمتی تھی کہ مہتمم معبد کو اس کے لئے کسی کوشش کی ضرورت نہیں ہوئی اور سلیخا کی حاضری کا مقررہ دن آنے سے پہلے ہی اس کے حال میں پھر انقلاب پیدا ہوا اور بدستور معبد میں آکر اسی جوش و خروش کے ساتھ گانے اور نے نوازی کرنے لگا۔

(۴)

اتنے دنوں کے اضمحلال کے بعد جو سارو خا اپنی پہلی شان کے ساتھ معبد میں آیا اور نئے نئے شعر بالکل نئی راگنیوں کے ساتھ اس نے سنائے تو سارا یونان دوڑ پڑا۔ اور پھر اس کی بیتابی کے ساتھ سارو خا کی زیارت کا شوق وہاں کی عورتوں میں زندہ ہو گیا۔

جوں جوں شاہ یونان کی بیٹی سلیخا کی آمد کا دن قریب آتا جاتا تھا معبد کی آرائش و صفائی میں زیادہ انہماک پیدا ہوتا جا رہا تھا اور لوگوں کی آمد و رفت بڑھتی جا رہی تھی، اس طرف سلیخا بھی بے چین تھی کہ کسی طرح وہ معبد میں پہنچکر سارو خا کو دیکھے۔

آخر کار مقررہ دن آیا اور قصر شاہی سے لے کر معبد زہرہ تک سرخ و سبز مخمل کا فرش بچھا دیا گیا دو رویہ قنات قائم کر کے سپاہیوں کا پہرہ مقرر ہو گیا اور ٹھیک صبح آٹھ بجے سلیخا معہ اپنے غلاموں اور کنیزوں کے معبد کی طرف روانہ ہو گئی۔

سلیخا شاہ یونان کی سب سے چھوٹی لیکن سب سے زیادہ محبوب بیٹی تھی اور باخبر حلقوں میں ہر شخص کو اس کا علم تھا کہ شاہ یونان اپنے بعد اسی کے لئے تخت و تاج چھوڑے گا، سلیخا اپنی ذہانت و قابلیت کے لحاظ سے ایسی غیر معمولی لڑکی تھی کہ تمام عقلائے یونان حیران تھے کہ اٹھارہ سال کی عمر میں ایسی زبردست پرواز فکر اس میں کیونکر پیدا ہو گئی، حسن ظاہری کے لحاظ سے بھی مشہور تھا کہ یونان میں اس کا کوئی نظیر نہیں ہے۔ اس لئے جب سال میں دو مرتبہ وہ معبد زہرہ میں حاضری دینے کے لئے باہر نکلتی تھی تو تماشائی پروانہ وار ٹوٹ پڑتے تھے اور جب تک سلیخا نگاہوں کے سامنے رہتی تھی سب پر سکتہ کا عالم طاری رہتا تھا۔

الغرض فرش مخملیں پر پھولوں کو روندتی ہوئی سلیخا اپنے قصر سے نکلی اور خراماں خراماں تین گھنٹے کے اندر معبد زہرہ کے حدود کے اندر پہنچ گئی۔ یہ رسم تھی کہ جب شاہزادی یہاں آتی تھی تو سب سے پہلے معبدہ زہرہ کے اندر جا کر اپنی نذر پیش کرتی اور پھر باہر آکر زائرین کی نذریں خود قبول کرتی تھی اور چلتے وقت معبد کو دے آتی تھی۔ چنانچہ وہاں پہنچتے ہی اس نے اپنے چہرے سے نقاب علیحدہ کیا، نذر کے مخصوص لباس یعنی سیاہ ریشمی چادریں اپنے آپ کو لپیٹا۔ کہنیوں تک ہاتھوں کو عریاں کر کے ہتھیلیوں پر گلاب کا ہار اور اس پر پچاس اشرفیاں رکھیں، اور انتہائی جذبۂ احترام کی معصوم کیفیت اپنی رفتار میں پیدا کر کے آگے بڑھی۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ آنکھیں مائل بہ زمین تھیں۔

جسم پر ہلکا سا رعشہ طاری تھا۔ وہ زہرہ کے قدموں پر اپنی نذر پیش کر رہی تھی اور چاروں طرف ہنگامۂ موسیقی برپا تھا۔

نذر پیش کرنے کے بعد ہی اس کی نگاہوں نے سارو خا کی جستجو کی۔ لیکن اس کو کامیابی نہ ہوئی کیونکہ اس وقت وہ وہاں موجود نہ تھا۔ ہر چند اس کو اس سے سخت تکلیف و مایوسی ہوئی لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ کیونکہ ابھی شام کی حاضری باقی تھی اور اس نے سنا بھی یہی تھا کہ اکثر و بیشتر وہ رات ہی کی عبادت میں شریک ہوتا ہے۔

(۵)

آفتاب غروب ہو چکا ہے، معبد زہرہ روشنیوں کی کثرت سے بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ عود کی خوشبو سے ساری پہاڑی معطر ہو رہی ہے۔ سارو خا نہایت عجیب و غریب لحن میں زہرہ کی تعریف گا رہا ہے کہ شہزادی سلیخا شوق و بیتابی کا طوفان اپنے سینہ میں لئے ہوئے اندر داخل ہوئی اور گذشتہ چھ ماہ سے پرورش پانے والی تمنا اس کی نگاہوں کی راہ سے نکل کر سارو خا کے چہرے پر پڑی۔

ہر چند اس کو معلوم تھا کہ آج شہزادی آئی ہوئی ہے اور وہ اس کے تمام کمالات ظاہری و باطنی سے بھی واقف تھا، لیکن جس وقت وہ معبد کے اندر ہوتا تھا تو ساری دنیا کو بھول جاتا تھا اور انتہائی استغراق کی حالت میں مصروف نغمہ رہتا تھا۔ اس لئے شہزادی اندر آئی۔ دیر تک کھڑی رہی۔ پھر اپنی نذر چڑھائی، بخور سلگایا۔ لیکن سارو خا اپنی محویت سے باہر نہیں ہوا اور اسی طرح ایک خاص عالم سکر میں گاتا رہا۔

ادھر سلیخا کا یہ عالم تھا کہ جس وقت اس کی نگاہ اولین اس پر پڑی تو وہ مشکل سے یقین

کرسکی کہ یہ کوئی دیوتا نہیں بلکہ انسان ہے، وہ ایسا محسوس کر رہی تھی کہ شاید وہ خواب دیکھ رہی ہے وہ دیر تک خاموش کھڑی رہی اور پھر بے اختیار ہو کر آگے بڑھی اور سارو خا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس کو چونکا دیا ——— کون ؟"

"میں ہوں ساری دنیا کے لئے شاہ یونان کی بیٹی اور تیرے لئے صرف سلیخا، میں عرصہ سے تیرے کمالات کا شہرہ سن رہی تھی۔ اور تجھ سے ملنے کی آگ عرصہ سے دل میں دبائے ہوئے تھی۔ آج آخر کار میں نے تجھے دیکھ لیا۔ تیرے کمال کا خود اندازہ کر لیا اور اس کے اعتراف میں تیرے لئے موتیوں کا ہار لائی ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تو خود اس کو میری گردن سے اتار لے"

سارو خا اپنے حواس مجتمع کرنے میں مصروف تھا اور اس نے اس تقریر کا پہلا حصہ بالکل نہیں سنا، جب ہوش میں آیا تو شہزادی اپنا آخری فقرہ ادا کر رہی تھی۔ اس لئے وہ بالکل نہ سمجھ سکا کہ یہ کیا بات ہے اور کون اس کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ وہ یہ سن کر متحیرانہ شاہزادی کو دیکھتا رہا، اور پھر آہستہ آہستہ اُٹھ کر ذرا علیحدہ ہو گیا اور بولا کہ:۔

"تیری گردن سے کیا چیز اُتار لوں، موتیوں کا ہار؟ یہ میرے کس کام آئیں گے؟ میں ان کو آنسوؤں میں بھی تو تبدیل نہیں کر سکتا۔ یہ بہت سخت ہیں۔ رقیق ہو کر میری پلکوں سے نہیں ٹپک سکتے۔"

سلیخا نے یہ سن کر جواب دیا کہ "اے سارو خا! مجھ میں اب تیری شاعری کی برداشت باقی نہیں ہے۔ میں مسلسل ایک گھنٹہ سے تیرے ان آتشیں جذبات کے سامنے پگھلی جا رہی ہوں جن کو تو اس آزادی سے ادا کرتا ہے اور مطلق اس بات سے نہیں ڈرتا کہ کوئی عورت ان کو سننے کے بعد کیونکر زندہ رہ سکتی ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں وہ آگ جو تو نے سر زمین

یونان میں لگا رکھی ہے قصرِ شاہی کے اندر بھی پہنچ گئی اور وہاں کا تنہا گوہرِ شب چراغ مشتعل ہو کر اب خاک ہو جانے کے قریب ہے۔"

سارو خاب سمجھا کہ یہ شہزادی ہے۔ اور یہ سمجھنے کے بعد ہی اس نے مودبانہ سر جھکا کر عرض کیا کہ "اے ملکۂ عالم! مجھ سے میرا پندارِ عجز نہ چھین۔ کیسی شاعری، کہاں کے آتشین جذبات کجا قصرِ شاہی کی بلند دیواریں کجا میری بانسری کی ضعیف آواز۔ کیا دنیا نے مجھے تباہ و برباد کرنے کی قسم کھائی ہے۔ اے ملکہ! کیا واقعی تیری اتنی وسیع سلطنت میں رہنے کے لیئے کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ تو قزاقوں اور رہزنوں کا استیصال کرتی ہے۔ تو مظلوموں کی فریاد کو پہنچتی ہے۔ تو خدا کی طرف سے اپنی رعایا کے امن و سکون کی ذمہ دار ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ تمام اپنے فرائض اچھی طرح انجام دیتی ہوگی۔ لیکن تو بے خبر ہے تو ایک میرے حال سے غافل ہے۔ تو ایک میری بے کسی سے۔ دنیا ہنگامہ کی طالب ہے۔ شہرت کی خواہشمند ہے، دولت کی متمنی ہے۔ لیکن میں تو صرف سکون چاہتا ہوں۔ سوا اس کے کوئی خواہش نہیں کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن کیا قیامت ہے کہ میری یہ حقیر تمنا بھی پوری نہیں ہوتی۔ میں کسی کو نہیں دیکھتا تو کوئی مجھے کیوں دیکھے۔ میں کسی کی تمنا نہیں کرتا پھر دوسرا میری تمنا کیوں کرے۔ میں تعریف سے گھبراتا ہوں تو کیوں کوئی میری تعریف کرے۔ مجھے ان کے انعام کی ضرورت نہیں، صلہ کی پروا نہیں میرے لئے دنیا میں رہنے کی حاجت نہیں پھر مجھے کیوں ستایا جائے۔ کیوں دُکھ دیا جائے۔"

سلینجا نہایت غور سے سنتی رہی اور اس کی شیریں آواز سن سن کر اور متاثر ہوتی رہی، حتیٰ کہ سارو خا نے اپنی گفتگو ختم کی اور ایک طویل آہ کھینچکر خاموش ہو گیا۔ چند لمحے تک دونوں طرف سکوت کا عالم طاری رہا۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سکوت کب تک طاری

رہتا لیکن سلینخا نے یہ دیکھ کر کہ وقت کم رہ گیا ہے ایک آخری جسارت سے کام لیا اور بولی
"اے سارو خا! تو انسان پیدا ہوا ہے۔ اور انسان ہی کی طرح تجھے زندگی بسر کرنا
ہے، تو اگر سکون کی تلاش اس لئے کرتا ہے کہ جامد ہو کر زہرہ دیوی بن جائے تو ممکن
نہیں، تو پتھر نہیں ہے، گوشت پوست کی مخلوق ہے اور اگر آج نہیں تو کل تجھے
اس کا احساس ہو گا۔ پھر تو کیوں اس وقت اس چیز کو ٹھکراتا ہے جس کے لئے دوسرے
وقت بیتاب ہو جانے والا ہے۔ اگر دنیا تیری قدر کرتی ہے تو تجھے اس پر مسرور ہونا
چاہیئے، کہ نظام فطرت یہی ہے اور اگر کوئی ہستی تیری تمنا کرتی ہے تو تجھے بھی اس کی پذیرائی
کرنی چاہیئے کہ دنیا کا انتظام اسی طرح جاری ہے۔ تو خوبصورت ہے جوان ہے، شعر و موسیقی
کا خدا ہے، اور ان میں سے ہر چیز اپنی جگہ پر پرستش کے قابل ہے۔ چہ جائیکہ ان سب کا
اجتماع، اگر تو چاہے تو ایک مستقل دیوتا کی سی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ میں نے جس وقت
تک تجھے نہیں دیکھا تھا، صرف دیکھنے کی خواہش رکھتی تھی۔ جب دیکھ لیا تو تجھے پا لینا
چاہتی ہوں، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ بغیر اس کے میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ پھر چونکہ ہر
شخص کا فرض ہے کہ اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے کوشش کرے۔ اس لئے ظاہر ہے
کہ میں بھی اس کے لئے کوئی دقیقہ کوشش کا اٹھا نہ رکھوں گی!" وہ کہتی جاتی تھی اور
آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ سارو خا کے قریب پہونچ کر اس نے اپنا ہاتھ بڑھا
دیا اور اس کی آستین پکڑ کر اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنا چاہا۔ لیکن اس نے اپنا ہاتھ
کھینچ لیا۔ تیوریاں چڑھ گئیں اور ایک خاص انداز استغنار کے ساتھ بولا کہ "اے ملکہ!
اپنے حسن کا جادو مجھ پر نہ ڈال۔ مجھے معلوم ہے کہ تو بہت حسین ہے اور ایک شخص کو
اپنی محبت پیش کر کے دیوانہ بنا سکتی ہے۔ لیکن تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ سارو خا واقعی

پتھر ہے اور سحر جمال کا اثر قبول کرنے کے لئے بالکل نااہل۔ ممکن ہے کہ تو اس کے بدن میں کوئی گرمی محسوس کرے۔ لیکن اس کا دل حقیقتاً برف کی قاش ہے۔ پھر اگر تجھے پتھر ہی سے محبت کرنا ہے، تو سر ٹکرانے کے لئے ساری پہاڑی موجود ہے۔ مجھ ہی میں کیا خصوصیت ہے؟"

سلینا میں جہاں اور باتیں تھیں وہیں ایک یہ خصوصیت بھی تھی کہ بلا کی خود دار تھی پھر چونکہ اس کی زندگی میں کسی کے سامنے التجا پیش کرنے کا یہ بالکل پہلا واقعہ تھا اس لئے اس کے رد کر دئے جانے کی تلخی کو اس نے نہایت شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ اور جس طرح ناگن چوٹ کھانے کے بعد غضب آلود ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وہ بھی سارودھا کا یہ جواب سن کر طیش میں آگئی اور اس نے عزم کر لیا کہ اگر میں پہلے اپنی محبت سے مجبور ہو کر اس کو حاصل کرنا چاہتی تھی تو اب جذبۂ انتقام پورا کرنے کے لئے اسکو شکست دوں گی۔ چنانچہ سارودھا کی یہ گفتگو سن کر وہ فوراً علیحدہ ہو گئی اور تن کر بولی کہ "اے کسان کے بیٹے! جو کچھ میں تجھ سے سن رہی ہوں وہ خلاف توقع نہیں ہے اس تنگ ظرفی کی مثالیں بہت سی میری نگاہ سے گزر چکی ہیں اور میں جانتی ہوں کہ برتن میں جب اس کی سمائی سے زیادہ پانی پڑے گا تو ضرور چھلک جائے گا۔ لیکن شاید تو نے ابھی تک یہ محسوس نہیں کیا کہ تو اس وقت کس سے مخاطب ہے۔ کیا تو اس سے بے خبر ہے کہ میں جب کسی سے اپنی محبت ہٹا لیتی ہوں تو اس کا صرف ایک ہی مطلب ہوا کرتا ہے اور وہ یہ کہ میں اس سے نفرت کرنے لگی ہوں، اور تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ میرا کسی سے نفرت کرنا اسکی زندگی کو تباہ و برباد کرنا ہے۔ پھر قبل اس کے کہ تو کوئی فیصلہ کرکے مجھے کسی عزم پر مجبور کرے۔ اس پر غور کرلے کہ کس کو اپنا دشمن بنا رہا ہے۔ تو نے اس وقت تک

سیکڑوں چیونٹیاں پامال کر ڈالی ہوں گی، لیکن میرے لئے تجھے مسل دینا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے پھر اب بول! وقت کم ہے۔ اور اس وقت جانے سے قبل مجھے انتظام کرنا ہے کہ کل سرزمین یونان کس خبر کو سننے کے لئے آمادہ ہو۔"

ساروغا یہ سن کر بالکل خلاف عادت زور سے ہنسا اور بولا کہ "اے ملکہ! مجھے تیرے اقتدار کا علم ہے اور میں جانتا ہوں کہ تو جتنی دیر میں میرے تباہ کرنے کا ارادہ کر سکتی ہے اس سے جلد تو اس پر عمل کر سکتی ہے۔ لیکن گستاخی نہ ہو تو مجھے پوچھنے دے کہ دنیا میں وہ کونسی چیز ہے جس کے ڈر سے میں اپنے آپ کو کسی ناپاک خیال سے ہلاک کرنا گوارا کر لوں گا۔ میں اپنے آپ کو جس دیوی کے لئے وقف کر چکا ہوں، اس کے احترام میں اگر جان سے زیادہ کوئی چیز عزیز ہو سکتی ہے تو اس کی قربانی سے بھی گریز نہیں کر سکتا۔"

سلینا نے جواب دیا کہ "ہاں، جان سے زیادہ ایک عزیز چیز اور ہے اور میں وہی تجھ سے چھین لوں گی۔ اگر تجھے معلوم نہیں ہے تو بتانا چاہتی ہوں کہ وہ چیز تیری عزت وآبرو ہے کیا تو اس سے انکار کر سکتا ہے کہ تو نے معبد کی تنہائی میں، میری عصمت پر حملہ کیا، اور کیا میری ایک چیخ تجھے بدترین مذلت میں گرفتار نہیں کرا سکتی، اور تیری یہ عزت آنِ واحد میں خاک آلود نہیں ہو سکتی؟ کیا میں ایسا کرنے سے ابھی باز رہوں گی اور ایک مرتبہ تجھے اور سمجھاؤں گی کہ خواہ تو اپنے خیالات کے لحاظ سے کتنا ہی مقدس کیوں نہ ہو۔ لیکن کفران نعمت کو کوئی مذہب گوارا نہیں کر سکتا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تیرا گوشت پوست، تیرا خون، تیری روح اور اس وقت تک کی تیری ساری زندگی میری ہی ممنون احسان رہی ہے اور میرے ہی نمک سے پل کر تو اس قابل ہوا ہے کہ

آج دنیا تجھ پر رشک کرتی ہے، پھر اگر کوئی اور خیال تجھے میری طرف مائل نہیں کر سکتا تو کم از کم حق نمک کا پاس تو تجھے ضرور کرنا چاہیئے علی الخصوص اس وقت جبکہ میں تجھ سے سوائے اس کے کچھ نہیں چاہتی کہ میرا یہ موتیوں کا ہار اپنے ہاتھ سے اُتار کر گلے میں ڈال لے۔"

یہ کہہ کر سلیخا پھر آگے بڑھی اور اس خیال سے کہ ساروخا اب کافی متاثر ہو چکا ہے اس نے ہاتھ بڑھایا کہ اس کا دامن کھینچ کر اپنے سے قریب کر لے۔ لیکن ساروخا اس مرتبہ نہایت تند خوئی سے پیچھے ہٹا کر اور بپھر کر بولا کہ "اے شہزادی! اس میں شک نہیں کہ میری زندگی تیرے ہی احسان کا نتیجہ ہے، اور میرے خون کا ہر قطرہ تیرا ہی بخشا ہوا ہے۔ اس لئے جس وقت تک میں زندہ ہوں تجھے حق حاصل ہے کہ مجھے اپنے اپنے فرمان کی تعمیل پر مجبور کرے لیکن شاید تجھے معلوم نہیں کہ تیری ودیعت ہر وقت واپس کر سکتا ہوں اور اپنے خون کا آخری قطرہ بہا کر اس پابندی سے آزاد ہو سکتا ہوں۔ پھر مطمئن رہ کہ دوبارہ اس طعن کے سننے سے قبل میں وہ سب کچھ دکھاؤں گا جس کی تجھے توقع نہیں ہو سکتی۔"

اس نے یہ کہا اور بجلی کی طرح ایک چیز ہوا میں چمک کر اس کے سینے میں داخل ہو گئی لیکن قبل اس کے کہ سلیخا اس تمام منظر کو سمجھ کر کوئی تدبیر اختیار کرتی۔ زہرہ کا پجاری اپنی معبودہ کے قدموں پر جان دے چکا تھا اور ہمیشہ کے لئے اس دنیا کے احسان سے سبکدوش ہو گیا تھا جو اپنی تنگ ظرفی کی ایسی یادگاریں قائم کرنے میں ہمیشہ سے جری ہے اور غالباً رہے گی۔

قربان گاہِ حُسن

ظہورِ مسیح سے سیکڑوں برس قبل، جب ارضِ بابل کی ترقی اور بابل والوں کی تہذیب عروج کے بلند ترین نقطہ پر پہنچ گئی تھی۔ شہر اریدو، جو ساحل خلیج فارس پر واقع تھا ملک کے بہترین شہروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ شہر اریدو، ہر چند اپنی جائے وقوع کے لحاظ سے بھی کم ممتاز درجہ نہ رکھتا تھا۔ لیکن اس کی تمام عزت وعصمت زیادہ تر اس معبد سے وابستہ تھی جو شماس (سورج کے دیوتا) کے نام سے منسوب تھا چونکہ ملک کے تمام دیوتاؤں میں شماس نہایت ہیبت و جبروت والا دیوتا تھا۔ اس لئے اس کی آرام گاہ اپنی زینت و آرائش، اپنی وسعت و بزرگی کے لحاظ سے تمام ارضِ بابل میں بے نظیر معبد سمجھی جاتی تھی اور ملک کا کوئی شخص ایسا نہ تھا۔ جو اریدو کا نام سنتے ہی ایک خیال عظمت اپنے دل میں پیدا ہوتے ہوئے محسوس نہ کرتا ہو۔ اور وہاں پہنچکر سر عقیدت آستانہ شماس پر جھکا دینے کا جذبہ اسے بیقرار نہ بنا دیتا ہو۔

ملک کے امرا و رؤسا، ملک کے شعرا و حکما اپنے والہانہ جذبات کو لے کر وہاں آتے، اور مہینوں صرف اس امید پر پڑے رہتے کہ شاید کوئی رات ایسی میسر آجائے کہ ان کی نیندیں شماس کی شعاع جلوہ سے منور ہو جائیں۔ جب مردوں کا یہ عالم تھا تو ظاہر ہے کہ عورتوں کا کیا حال ہوگا۔ اور ان کے جلد متاثر ہو کر دیر تک متاثر رہنے والے دلوں

کی کیفیت رہی ہوگی۔

جس طرح یورپ کے قرون وسطیٰ میں تائب و تارک الدنیا عورتیں۔ پاکباز و عفت مآب کنواریاں کلیسا کی خدمت کے لئے اپنے تئیں وقف کر دیتی تھیں، بالکل اسی طرح معبد ارید و میں بھی ایک بڑی جماعت ایسی عورتوں کی پائی جاتی تھی۔ بڑے بڑے امرا کی لڑکیاں بھی بڑی بڑی دولتمند بیوائیں بھی وہاں آتی تھیں اور راہبانہ زندگی کا دو حسین دقائق سوگ جس کی روحانیت میں خدا جانے کتنے اسباب مادہ کو ہیجان میں لانے کے لئے مضمر ہوتے تھے۔ نہایت صدق و خلوص کے ساتھ اپنے اوپر طاری کر لیتی تھیں، ان میں سے بعض لڑکیاں ایسی تھیں جو اپنی ساری جوانی معبد شماس کی خدمت کے لئے وقف کر دیتی تھیں اور بعض ایسی بھی ہوتیں جو صرف ایک مخصوص زمانہ تک احرام عصمت باندھتیں اور پھر وہاں سے نکل کر نکاح کر لیتیں چونکہ ان کنواریوں اور عورتوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تھی اس لئے وہ صرف احاطۂ معبد ہی میں نہ رہتی تھیں بلکہ شہر میں اور بھی متعدد مکانات ایسے تھے جہاں وہ ایک راہب یا راہبہ کی نگرانی میں اپنی باعصمت زندگی بسر کرتیں۔ بعض امیر گھرانوں کی بیٹیاں ایسی بھی تھیں جو سب سے الگ تنہا مکانوں میں رہنا پسند کرتیں اور اسی تزک و احتشام کے ساتھ رہتیں جس کی وہ اپنے گھروں پر عادی تھیں۔

جس وقت تک ارض بابل اپنے ارتقاء کے مدارج طے کر رہی تھی اس وقت تک یقیناً اس معبد کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں بہت ہی ہیئت و خشیت پائی جاتی تھی۔ لیکن جب بابل کی ترقی انتہا کو پہنچ گئی جب تکمیل تہذیب میں کسی اضافہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ جب دولت نے عشرت اور عشرت نے اخلاق پر اپنا پورا اثر

قائم کرلیا تو آریدو اور معبد آریدو کی شہرت بھی اپنا مفہوم بدلنے لگی۔ اور رفتہ رفتہ یہ مقدس مقام صرف عشق و محبت کرنے کی جگہ بن کر رہ گیا۔

وہ امراء جو پہلے یہاں صرف اس لئے آتے تھے کہ اپنی دولت کو شماس کے آستانے پر ڈال کر روحانی نجات حاصل کریں۔ اب بھی آتے تھے لیکن صرف اس غرض سے کہ شاید کوئی حسین نگاہ ان کی جاہ و ثروت، دولت و امارت کے سامنے جھک جائے، چونکہ عورتوں سے ملنے کی اجازت ہر شخص کو تھی۔ اس لئے معبد آریدو کا ایک ایک مکان جہاں کنواری لڑکیاں رہتی تھیں۔ ہر وقت ملک کے نوجوانوں سے آباد نظر آتا تھا۔

ارض بابل میں پردے کا رواج نہ تھا۔ لیکن معبد آریدو سے تعلق رکھنے والی عورتیں بے نقاب نہ رہتی تھیں اور کہا جاتا ہے کہ ملک کے نوجوانوں پر جو شدید دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی وہ گورے گورے رنگ پر انھیں سیاہ ریشمی نقابوں کا کرشمہ تھا جو نگاہیں بچا کر دلوں کو اپنی طرف کھینچنے میں ازبس کارگر ثابت ہو رہے تھے۔

جس زمانہ میں ہمارا یہ فسانہ شروع ہوتا ہے، معبد آریدو اپنی عشق خیزیوں کے لحاظ سے حد کمال کو پہنچا ہوا تھا، اور وہاں کی تمام کنواریوں میں مرآندا اپنے حسن و جمال، اپنے کرشمہ و ناز کے لحاظ سے نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھی۔ یہ ایک امیر گھر کی لڑکی تھی جس کے والدین مر چکے تھے اور ساری دولت و جائداد، مرآندا اور اس کی دوسری چھوٹی بہن کے لئے چھوڑ گئے تھے۔ اس کی چھوٹی بہن نے اپنے بوڑھے چچا کے پاس رہنا پسند کیا۔ مرآندا، پانچ سال کا عہد دوشیزگی کر کے معبد آریدو میں آگئی۔ مرآندا کے حسن میں وہ تمام رعنائیاں جنھیں فطرت کسی کو عطا کر سکتی ہے۔ بدرجہ اتم

موجود تھیں اور اس لئے معبد ارید د کی تمام کنواریاں اسے حاسدانہ نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ دراز قد کشیدہ قامت۔ چھریرے بدن کی نہایت متناسب الاعضا لڑکی تھی، اسکے لانبے لانبے سیاہ بال۔ اس کی بڑی بڑی مست وسیاہ آنکھیں۔ اس کے نازک خدوخال یہ تھیں وہ خصوصیات، مراندا کے حسن کی جن کو نہ صرف ارید د بلکہ ملک کا ہر رنگین مزاج نوجوان اچھی طرح جانتا تھا۔ مراندا حسین ہونے کے ساتھ ہی اتنی ہی خود دار بھی اس درجہ تھی کہ لوگ اس کے سامنے آتے ہوئے کانپتے تھے اور خائف تھے کہ کہیں یہ حسن کی متین دیوی اپنے غرور نگاہ سے زندگی کو خراب نہ کر دے۔ علاوہ حسن ظاہر کے وہ جمال معنوی بھی بدرجۂ کمال رکھتی تھی وہ تمام علوم مرجہ کی ماہر تھی اور ملک کی مختلف زبانوں کی شاعرہ۔ وہ اگر کبھی اپنا بربط لیکر بیٹھ جاتی اور اپنی نازک انگلیوں سے اس کے تار دل کو جنبش میں لاتی تو سننے والوں پر ایک سکر کی کیفیت طاری ہوجاتی۔ اور اگر کبھی وہ ساز کے ساتھ گانے لگتی تو لوگ ایسا محسوس کرنے لگتے کہ شاید سورج کا دیوتا شماس، مراندا کی آواز اور مراندا کے بربط کے ذریعہ سے مخلوق کو اپنا معجزہ دکھا رہا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ دنیا اس کے لئے تڑپ رہی ہے، اسے علم تھا کہ دنیا میری طرف کھنچی چلی آرہی ہے، اُسے یقین تھا کہ خدا کی مخلوق اس کی نگاہوں کی زخم خوردہ ہے۔ لیکن اسے مطلق پروا نہ تھی وہ ایک لمحے کے لئے بھی کسی کے دل میں یہ جسارت پیدا نہ ہونے دیتی تھی کہ اپنے جذبات کا اظہار کر سکے۔ وہ لوگوں کو سرد آہیں بھرتے دیکھتی تھی اور مسرور تھی۔ وہ نوجوانوں کو اپنی جانیں دیتے ہوئے سنتی تھی۔ اور وہ خوش ہوتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے اپنے حسن پر بڑا غرور تھا، بڑا پندار تھا اور وہ اپنی جگہ ایک مستقل دیوی بنی ہوئی تھی۔

ایک زمانہ اسی حال میں گذر گیا۔ جہانتک کہ مرآنندا نے اپنے حسن کے اٹھارہویں سال میں ایک اور قیامت خیز قدم رکھا۔ چونکہ ارید د کی فضا میں اب اس قدر گنجائش بھی نہ تھی کہ وہ ہلکی سے ہلکی کراہ کو اپنے اندر جگہ دے سکے۔ اس لیئے عشق کا دیوتا چونکا اور مرآنندا کی یہ ستمرانیاں دنیائے محبت میں دیکھ کر اس سے انتقام لینے کے لئے آمادہ ہوگیا۔ معبد اریدد میں یہ دستور تھا کہ ہفتہ میں ایک بار عبادت سے فارغ ہونے کے بعد چند راہب شہر میں مصارف معبد کے لئے چندہ جمع کرنے نکل جاتے اور شہر کے عمائدین سے ایک معقول رقم فراہم کر کے لوٹتے، ایک دن مرآنندا اپنے مکان میں تنہا بیٹھی ہوئی کچھ گنگنا رہی تھی کہ ایک راہب کے آنے کی اطلاع اس کو ملی۔ اس نے راہب کے آنے کی غرض کو سمجھ لیا۔ اور اندر بلا لیا۔ یہ ایک نوجوان راہب تھا، جو حال ہی میں داخل ہوا تھا مرآنندا نے غور سے اس کو دیکھا تو اس کے دل میں دفعتاً ایک حرارت سی محسوس ہوئی اور چہرہ کا رنگ متغیر ہونے لگا۔ راہب قریب آیا اور نگاہیں نیچی کر کے اپنا دامانِ سوال مرآنندا کے سامنے پھیلایا۔ لیکن مرآنندا نے انتظار کیا۔ اتنا انتظار کہ راہب نے اپنی نگاہیں اٹھا کر اسے ایک بار دیکھا اور دیکھتے ہی پھر شرم سے گردن جھکالی۔ اس تصادم نگاہ نے مرآنندا کے دل کو ایک کاری زخم پہنچایا۔ جس سے بیقرار ہو کر اس نے اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لی اور اپنا ہاتھ بڑھا کر ایک طلائی سکہ اس کو دیا۔ حالانکہ وہ اپنا دل اس سے پہلے اسی وقت راہب کی جھولی میں ڈال چکی تھی جب اندر آتے ہی اس نے اپنا دامن مرآنندا کے سامنے پھیلایا تھا۔ وہ خیرات لے کر چلا گیا۔ لیکن مرآنندا ایک خاص حالت تاثر میں خاموش پلنگ پر اُٹھی بیٹھی رہی۔ وہ مرآنندا جس نے آج تک مردوں کو صرف تڑپتے ہی دیکھا تھا

کہ وہ عورتوں کے لئے بیقرار ہوں اور فنا ہو جائیں۔ وہ مرانداجو مردوں کے جذبات محبت کو اپنی نخوت و خودداری کے سامنے پامال ہوتے ہوئے دیکھ کر مسرور ہونے کی عادی تھی۔ وہی مرانڈا اس وقت بے قرار و مضطرب بھی تھی اور وہی اس خیال سے کانپ بھی رہی تھی کہ کہیں اس کی خواہش پامال نہ کر دی جائیں۔ عشق کا دیوتا اسے دیکھ رہا تھا اور مسکرا رہا تھا۔

مرانڈا اسی فکر و استغراق کی حالت میں تھی کہ خادمہ آئی اور مرانڈا کو خلاف معمول افسردہ و مضمحل دیکھ کر متعجب ہوئی، کیونکہ اس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے مرانڈا کو، جس کی زندگی یکسر عیش و مسرت تھی، ملول دیکھا ہو۔ اس نے تھوڑی دیر انتظار کیا کہ شاید مرانڈا کچھ کہے، لیکن جب اس نے کوئی گفتگو نہ کی تو خود اس نے سوال کیا اور مرانڈا نے قصداً کوشش سے چہرے کو متبسم بنا کر کہا "یہ نیا راہب جو آج میرے پاس آیا تھا کون ہے؟ میں نے تو اس وقت تک اسے نہیں دیکھا تھا" خادمہ نے جواب دیا کہ۔ اس راہب کو آئے ہوئے ابھی صرف ایک ہفتہ ہوا ہے۔ یہ شہزادہ کپادوشیا ہے۔ جو ایک سخت حادثہ سے متاثر ہو کر یہاں چلا آیا ہے اور اپنی ساری زندگی معبد ارید و کے لئے وقف کر چکا ہے۔" مرانڈا نے حیرت سے پوچھا۔ "ساری زندگی! حیرت ہے وہ تو ابھی بالکل نوجوان ہے، ہاں وہ حادثہ کیا ہے؟ ...... خادمہ بولی "اس کا نام حیردن ہے وہ ایک خاتون سے محبت کرتا تھا۔ لیکن لڑکی کے باپ نے جو ایک خود غرض و طامع شخص تھا۔ حیردن کے بڑے بھائی سے اسے منسوب کر دیا تھا۔ کیونکہ وہی تخت کپادوشیا کا مالک ہونے والا تھا۔ تاہم چونکہ حیردن اور اس خاتون میں باہم بہت محبت تھی۔ اس لئے دونوں کبھی کبھی ملتے تھے۔

یہ خبر رفتہ رفتہ حیرؔدن کے باپ اور اس کے بڑے بھائی تک پہنچی اور انھوں نے کچھ آدمی متعین کئے کہ حیردن کو جہاں کہیں ملے ہلاک کر ڈالیں۔ ایک رات جبکہ حیرؔدن اپنی وحشت و جنون کے عالم میں شہر سے باہر پھر رہا تھا۔ اس پر حملہ کیا گیا اور دشمن اسے خون آلود چھوڑ کر چلے گئے۔ اتفاق سے ایک مسافر ادھر سے گذرا اور اس نے حیرؔدن کو اٹھایا اور اپنے گھر لے گیا۔ جب چند دن کے بعد وہ صحت یاب ہو گیا تو اس نے مفصل حالت اپنی محبوبہ کو لکھی جس سے متاثر ہو کر وہ بیمار ہو گئی اور چند دن میں مر گئی۔ حیرؔدن کو جب اپنی محبوبہ کی موت کا حال معلوم ہوا تو وہ اریدو چلا آیا۔ اور اپنی تمام زندگی معبد شماس کی خدمت کے لئے وقف کر دی"۔

مراندا نے یہ سن کر، حالانکہ وہ حیرؔدن ہی کا ذکر کرنا اور سننا چاہتی تھی، کوئی اور سوال نہیں کیا کہ مبادا خادمہ مشتبہ ہو جائے۔ علاوہ اس کے اب شام بھی ہو گئی تھی اور زائرین مراندا جمع ہو چکے تھے، اس لئے یوں بھی کوئی موقع گفتگو کا نہ تھا۔

(۲)

شام کو مرانداؔ کا مکان شہر کے امراء و رؤسا سے بھر جایا کرتا تھا اور وہ اپنی نگاہوں کے افسوں اور باتوں کے جادو سے سب کو مسحور کیا کرتی تھی۔ لیکن آج وہ کچھ افسردہ تھی، اس کا چہرہ ضرورت سے زیادہ متین نظر آ رہا تھا۔ سب نے اس کو محسوس کیا اور آہستہ آہستہ خود ہی کچھ سمجھ کر رخصت ہو گئے۔

مراندا اپنے تنہا رہ جانے سے بہت خوش ہوئی کیونکہ اب اس کا خیال صرف اس نوجوان راہب کے ساتھ ساتھ پھر رہا تھا اور کسی بات کو اس کا جی نہ چاہتا تھا۔ حیرؔدن کی

صورت اس کے خوبصورت خد و خال، اس کا حسن مردانہ اور پھر سب سے بڑھ کر اسکی نوخیز جوانی، یہ تھیں وہ سب باتیں جو اس وقت مرانڈا کے دل پر قابض ہوئی جاتی تھیں اب اس کے لئے کسی چیز میں لذت نہ تھی مگر حیرڈن میں اور حیرڈن کے ذکر میں وہ کبھی اپنے اوپر ملامت کرتی کہ میں جو دنیا کی بڑی سے بڑی قوت کو نگاہ کی ایک جنبش سے اپنا مطیع و فرمانبردار بنا سکتی ہوں۔ ایک پریشان حال مفلس سے کیوں محبت کروں۔ لیکن اس کا ہیجان پھر سمجھا دیتا کہ حیرڈن تو شاہی خاندان کا ایک فرد ہے، نوجوان ہے، حسین ہے۔ کبھی مرانڈا یہ خیال کرتی کہ جب اس نے تمام عمر معبد شمس کی خدمت کے لئے وقف کر دی ہے تو وہ شادی کے لئے کیوں آمادہ ہونے لگا، لیکن یہاں بھی مرانڈا کا وہ جوش جو اس کو مبہوت و دیوانہ بنائے ہوئے تھا، کچھ سمجھا دیتا اور مرانڈا خوش ہو جاتی کہ مقصود کے لحاظ سے شادی اور یوں ہی مل رہنا ایک ہی چیز ہیں اور جوانی کی بھڑکتی ہوئی آگ کو کبھی کبھی لوگوں سے چھپ کر یوں ہی بجھا لینا برا نہیں۔ کبھی مرانڈا یہ سوچتی کہ جب اس نے ایک خاتون کی محبت میں اپنے اوپر تمام لذتیں حرام کر لی ہیں تو وہ شاید اس پر راضی نہ ہو۔ مگر وہ اس خیال کے آتے ہی کن انکھیوں سے آئینہ کو دیکھتی اور فرط غرور سے تن جاتی۔ وہ یہ سمجھتی کہ میں کسی کو مفتوح کرنے کا قصد کروں اور ناکام رہوں محال ہے۔ وہ ہزار پاکباز سہی۔ اس کی رہبانیت لاکھ قوی سہی۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ میں خلوت میں محبت آمیز نگاہ سے دیکھ کر اپنی آغوش اس کی پذیرائی کے لئے کھول دوں اور وہ مجبور ہو کر اپنا سر نہ جھکا دے۔ وہ سمجھتی تھی کہ اگر میری زلفوں کی تاب سے وہ بچ گیا تو نگاہوں کے تیر سے کیونکر جانبر ہو سکے گا۔ اگر میری کشیدہ قامتی پر فریفتہ نہ ہوا تو میرا دکھ رکھاؤ یا میری زیبائش و آرائش کب اسے چین لینے دے گی۔ اگر میرا سارا حسن و جمال، میرا تمام فن دلبری کارگر نہ ہوا تو بھی میری

جوانی، یہ میری موسم کی مستیاں کہاں جائیں گی، راہب کیا اگر خود شمس (سورج کا دیوتا) ہو تو وہ بھی اس کتاب کی تاب نہیں لا سکتا اور اسے بھی ایک بار میرے سامنے سر جھکا دینا ہے۔ بہر حال مرانڈا نے غریب حیروآن کو مغلوب و مفتوح کرنے کا عزم کر لیا اور اس خیال سے وہ اب روز معبد جانے لگی۔

جاتی اور کسی نہ کسی طرح حیروآن کو دیکھ لیتی۔ ادھر غریب حیروآن کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ کس طرح بیخبری کے عالم میں مرانڈا کو زخمی کرتا چلا جاتا ہے اور مرانڈا کس درجہ بیتاب ہے۔

(۳)

چار مہینے گذر گئے اور کوئی تدبیر اس کے ذہن میں نہ آئی آخر کار اس نے حیروآن کے پاس ایک تحریر روانہ کی جس کا مفہوم یہ تھا۔

"اے حیروآن تو کس قدر خوش نصیب ہے کہ اس عہد کی ایک نہایت حسین دولتمند نوجوان خاتون تجھ سے محبت کرتی ہے اور اپنی ساری دولتِ حسن جو دنیا کی تمام سلطنتوں کو مول لے سکتی ہے۔ تجھ پہ نثار کرنے کے لئے آمادہ ہے۔ کیا تو اس خاتون کی پذیرائی کر سکتا ہے۔"

یہ تحریر اس نے کسی اور کی طرف سے بھیجی تھی۔ جس وقت حیروآن کے پاس یہ تحریر پہنچی وہ سخت متحیر ہوا کہ اس اجنبی مقام میں وہ کونسی خاتون ہے جو مجھے زیرِ بار احسان کرنا چاہتی ہے۔ لیکن اس نے کوئی جستجو نہ کی اور یہ تحریر دیکھ کر خاموش ہو گیا، جب کئی روز مرانڈا کو حالت انتظار میں گذر گئے اور کوئی جواب اسے نہ ملا تو بیتاب ہو کر دوسری تحریر بھیجی:۔

"تو نے تحریر کا جواب نہ دیا۔ اب میں پھر لکھتی ہوں اور بتاتی ہوں کہ جس نے پہلی تحریر تیرے پاس بھیجی تھی وہ میں ہوں مرانڈا اور مجھی کو تیرے ساتھ محبت ہے میں تیری مجبوریاں جانتی ہوں لیکن مجھے بتا کہ آخر اس معبد میں کیا رکھا ہے۔ خدا کی دنیا بہت وسیع ہے آ تاکہ میں تیرے ساتھ نکل چلوں۔ تیری محبت جو سانپ کے زہر کی طرح چڑھتی جاتی ہے۔ مجھے دیوانہ کئے دیتی ہے اور نہیں کہہ سکتی کہ کس وقت میں بے اختیار ہو کر تیرے قدموں پر گر پڑوں، تو کیا اس وقت تو مجھے ٹھکرا دے گا؟"

جیرون نے اس تحریر کو بھی پڑھا اور خاموش ہو گیا۔ اس نے جواب نہ دیا، تاہم وہ فکرمند ضرور تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ اس کے اضطراب کو کیونکر دور کرے۔ کچھ زمانہ اس طرح بھی گذر گیا۔ اور مرانڈا کی بے قراریاں اب سب پر نمایاں ہونے لگیں، اس نے لوگوں سے ملنا ترک کر دیا تھا۔ اس کی محافل طرب ویران تھیں اور اس کے سارے مشاغل تفریح متروک۔ یہاں تک کہ ارید میں یہ خبر عام طور سے پھیل گئی کہ مرانڈا کسی خاص آزار میں مبتلا ہے۔ جسے وہ کسی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی۔

جب مرانڈا نے دیکھا کہ جیرون اس کے جذبات محبت کی قدر کرنے کے لئے آمادہ نہیں تو اس نے اپنی دولت کو کامیابی کا ذریعہ بنانا چاہا اور نہایت قیمتی تحائف جیرون کے پاس بھیجنے شروع کئے۔ اب جیرون مجبور ہو گیا کہ مرانڈا کو جواب دے چنانچہ ان تحائف کو واپس کرتے ہوئے لکھا کہ :-

"اے محترم خاتون یہ تحائف میرے کس کام کے ہیں وہ شخص جس نے دنیا کی لذتوں سے بیزار ہو کر معبد کے صرف ایک سنسان کونے کو اپنی ساری دنیا قرار دے لیا ہو وہ تیری ان دولتوں کو لے کر کیا کرے گا۔ میں یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہوں کہ تو دولتمند ہے

میں یہ معلوم کر کے مسرور ہوتا ہوں کہ تو ذہین و قابل ہے میں اس خیال سے بھی مطمئن ہوں کہ خدا نے تجھے دولت حسن سے مالا مال کیا ہوگا۔ اس لئے ایسی ذات کے لئے جس پر خدا اس قدر مہربان ہے۔ جس کو اپنا انعام و اکرام اس قدر دے رکھا ہے۔ میری تمام دعائیں حاضر ہیں۔ لیکن اس کے عوض میں میری التجا صرف اس قدر ہے کہ تو میرے حال سے تعرض نہ کر کہ میں اس قابل نہیں، میں غریب ہوں اور بے کس۔ میں گدا ہوں اور ہیچکارہ۔ مجھے پڑا رہنے دے۔ مجھے اپنی بقیہ زندگی یوں ہی ایڑیاں رگڑ کر بسر کر لینے دے کہ میری بے کسی، میری بے نوائی کفارہ ہے میرے اُن معاصی کا جن سے میں اپنی روح کو داغدار دیکھتا ہوں۔ کاش میرے دل میں گنجائش ہوتی کہ میں تجھے دیکھ سکتا۔ میری آنکھیں بند نہ ہوگئی ہوتیں کہ میں تیری تصویر ان پر نقش کر سکتا۔ لیکن ایک مجبور پر رحم کر۔ ایک معذور کو معاف کر۔ اس کے لئے ماضی کی حسرتیں کیا کم ہیں کہ وہ حال و مستقبل سے آرزوئیں وابستہ کر کے انھیں بھی مایوسیوں میں تبدیل ہوجاتے ہوئے دیکھے۔

میں تیرے حسین تحائف واپس کرتا ہوں کہ یہ تیرے ہی حسین جسم کے لئے موزوں ہیں اور تیرے قیمتی ہدایا تیرے ہی پاس بھیجتا ہوں کہ تیری زندگی مجھ سے زیادہ قیمتی ہے۔"

جس وقت یہ تحریر مرانڈا کے پاس پہنچی تو وہ راہب کے انداز تحریر کو دیکھ کر اور دیوانہ ہوگئی اور اس نے عہد کر لیا کہ جب تک اس کے تقدس و رہبانیت کو داغدار نہ کر لوں گی چین سے نہ بیٹھوں گی۔

اسی کشاکش میں چار مہینے اور گذر گئے۔ یہاں تک کہ آخر کار مرانڈا نے اپنے آخری حربہ کی تیاری شروع کر دی جس کی نسبت اس کو کارگر ہونے کا پورا یقین نہ تھا

یورپ کے کلیساؤں کی طرح معبد شماس میں بھی یہ دستور جاری تھا کہ ہر شخص اپنے لئے کسی راہب کو مخصوص کر لیتا تھا۔ تاکہ وقتاً فوقتاً اس کے سامنے اپنے معاصی کا اعتراف کر کے اپنے ضمیر کے بوجھ کو ہلکا کر سکے، مرآندا کا بھی ایک مخصوص راہب تھا لیکن ایک شام جب کہ وہ معبد شماس کے احاطہ میں زیر نقاب دوسری کنواریوں کے ساتھ آزادانہ پھر رہی تھی۔ اس نے حیردآن کو دیکھا اور وقت کو غنیمت جان کر آگے بڑھی اور بولی :-

اے مقدس راہب، میرا راہب کہیں چلا گیا ہے اور۔ مجھے ضرورت ہی کہ شام ختم ہونے سے پہلے اپنے معاصی کا اعتراف کروں ---- کیا تو یہ خدمت میرے لئے انجام دے گا!" حیردآن مذہباً اس خواہش کو مسترد نہ کر سکتا تھا۔ اسے راضی ہونا پڑا اور معبد کے خلوت کدے میں جو اسی رسم کے لئے مخصوص تھا مرآندا کو لے گیا۔

معبد کی اس تاریک و تنہا خلوت میں، مومی شمعیں روشن تھیں۔ چاروں طرف سیاہ پردے پڑے ہوئے تھے، اور بخور ساری فضا کو معطر کئے ہوئے تھے۔ حیردآن وسط میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور مرآندا قربان گاہِ شماس پر راہب کے قدموں کے پاس دونوں زانو ٹیک کر جھک گئی۔ جس وقت راہب نے کہا وہ توبہ سننے کے لئے آمادہ ہے تو مرآندا نے دفعتاً اپنا سیاہ ریشمی نقاب الٹ کر روشنی کے سامنے ایک ایسا چہرہ راہب کی نگاہوں کے روبرو پیش کیا جس کا مثل اس نے شاید کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ مرآندا کا لباس ایسا حسین، اس قدر قیمتی تھا۔ جیسے کسی دولہن کا ہو۔ اس کے سنوارے ہوئے بال سیکڑوں حلقوں کی صورت میں شانہ و دوش پر بکھرے ہوئے تھے۔ جن کے اندر بڑے بڑے الماس چمک رہے تھے۔ اس کی حسین و قاتل آنکھیں جو اس وقت

راہب کو ایک ملتجی انداز سے دیکھ رہی تھیں۔ سرمہ آلود تھیں۔ اس کا سینہ جس پر جواہر کار زیور جگمگا رہے تھے۔ ہانپ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مرانڈا کا قیامت خیز شباب اس وقت حیر دآن کو چھو کر پھٹ جانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے گورے گورے ہاتھ جو صیقل کئے ہوئے بلور کے معلوم ہوتے تھے۔ کہنیوں تک برہنہ کر کے راہب کے سامنے توبہ کرنے کے لئے بڑھا دئے۔ حیر دآن نے جو اس وقت طوفان حسن میں اپنے قدموں کو لغزش کھاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ انتہائے ضبط سے کام لے کر، اپنے منتشر حواس کو یکجا کیا اور نگاہیں نیچی کر کے مرانڈا کے اعتراف معاصی سننے کے لئے تیار ہو گیا۔

مرانڈا نے کہا۔ "اے مقدس راہب۔ میرے تمام گناہوں میں جو گناہ میرے لئے سب سے زیادہ باعث اذیت ہے۔ یہ ہے کہ میں ایک شخص سے محبت کرتی ہوں، میں جانتی ہوں کہ محبت کوئی معصیت نہیں۔ لیکن اے میرے اچھے راہب! میری محبت تو یقیناً ایک شدید معصیت ہے کیونکہ اب وہ عقل واحتیاط۔ عفت و عصمت کے اقتدار سے باہر ہے۔ جس سے میں محبت کرتی ہوں اس کو نہیں پا سکتی۔ جبتک معصیت میں مبتلا نہ ہوں اور نہ وہ مجھ سے مل سکتا ہے جب تک کہ اپنی پاکبازی کو خیر باد نہ کہہ دے۔"

راہب نے سوال کیا۔ "اس کی شادی ہو چکی ہے؟"

"نہیں۔"

راہب:۔ "کیا تیری شادی ہو چکی ہے؟"

"نہیں۔"

راہب:۔ "کیا اس سے کوئی تعلق خون کا رکھتی ہے؟"

مرانڈا:۔ نہ اس کی شادی ہوئی ہے نہ میری، نہ وہ میرا عزیز ہے، نہ کسی اور سے منسوب۔ مگر وہ میری التجاؤں پر رحم نہیں کرتا وہ میری نہیں سنتا۔ اے میرے راہب کیا تو ایسے شخص کو ظالم نہ کہے گا۔؟"

راہب:۔ "بے شک۔"

مرانڈا:۔ "تو پھر اے راہب وہ ظالم تو ہی ہے۔ جو میرے جذبات کو پامال کر رہا ہے، وہ سفاک تو ہی ہے جو مجھے ہلاک کئے ڈالتا ہے۔ وہ بے رحم تو ہی ہے جو میرے دل کو زخمی کرتا جا رہا ہے اور مطلق پرواہ نہیں کرتا۔ اے فسوں ساز، اے ساحر میں تیرے لئے تڑپ رہی ہوں۔ میرے دل کے اندر تیرے لئے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ شماس کا واسطہ مجھے سکون دے۔ میری آگ کو ٹھنڈا کر دے۔ ورنہ میں پھنک جاؤں گی مر جاؤں گی۔ میں تیرے قدموں پر پڑی ہوں اور اسی طرح پڑی رہوں گی۔ جب تک تیرے قوی ہاتھ میرے کانپتے ہوئے ہاتھوں اور تیرے لب میرے لبوں سے نہ مِل جائیں۔"

مرانڈا کی آواز جوش میں بلند ہوتی جاتی تھی۔ اور راہب ڈر رہا تھا کہ کوئی سن نہ لے۔ اس نے جواب دیا۔" اے خاتون مجھے تو ہمیشہ اپنا سچا دوست اور ہمدرد خیال کر۔ لیکن خدا کے لئے مجھ سے کوئی ایسی خواہش نہ کر جس کا پورا کرنا میرے امکان میں نہ ہو۔ میں تیرے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں۔ مگر میں تجھے چھو نہیں سکتا، کہ یہ میرا عہد ہے جو میں نے آسمان کے سب سے بڑے دیوتا شماس کے سامنے کیا ہے۔"

یہ سنتے ہی مرانڈا کی حالت بدل گئی۔ اس کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا، غیرت و غرور کی سرخی آنکھوں میں دوڑ گئی۔ گردن تن گئی، بھویں کھنچ گئیں اور پیشانی پر شکنیں ڈال کر

بولی۔ "اے راہب تو نے [illegible]

اور میں اب مجبور ہوں کہ تجھ سے اس کا انتقام لوں۔ اگر تو اپنے راہبانہ غرور پر میرے جذبات کی قربانی چڑھانے کے لئے آمادہ ہے۔ تو سن لے کہ میں بھی تجھے اس بات کے کرنے پر مجبور کروں گی۔ جس سے تو اس وقت انکار کرتا ہے۔ پھر یا تو اپنی جان دینے کے لئے آمادہ ہو جا، یا تو اس آگ کو جو تیری آنکھوں نے میرے دل کے اندر بھڑکائی ہے ٹھنڈا کر۔ ورنہ میں اس لمحہ میں تیری عزت خاک میں ملا دوں گی اور تجھے تباہ و برباد دیکھ کر خوش ہوں گی۔"

راہب ڈر رہا تھا۔ کانپ رہا تھا۔ اور اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کیونکر اپنے تئیں اس حسین آفت سے بچائے۔ آخر کار اس نے اپنے گریہ آلود اور رحم طلب آواز میں پوچھا۔ "اے خاتون تو مجھ سے کیا چاہتی ہے؟ میں کیا کروں؟"

مرانڈا بولی۔ "وہی جو تیرے حسن و جوانی کا اقتضا ہے۔ معبد کا یہ حصہ تنہا اور سنسان ہے۔ یہاں کی معصوم خلوت میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ ہم مداخلت کے خوف سے ایسے ہی آزاد ہیں جیسے کسی ویران جنگل، یا پہاڑ کے غار میں۔ میں یہ شمعیں بھی گل کر دوں گی۔ سوائے ایک شمع کے جو ہماری محبتوں کے اس پر مزہ منظر کا تماشائی ہو سکتی ہے لیکن کسی سے کچھ کہہ نہیں سکتی۔ آ، میری آغوش، میری کانپتی ہوئی پر شوق آغوش میں آ جا، اور اپنے زہد و اتقا سے باز آ، جس نے مجھے اتنی طویل مدت تک اس نعمت سے محروم رکھا۔"

مرانڈا نے یہ کہا اور شمعیں گل کر کے فوراً راہب کو اپنی آغوش میں کھینچ لیا، اور اس کا منہ چومنے لگی۔ راہب گھبرا کر بولا۔ "اے بیوقوف عورت شمعیں گل کرنے سے فائدہ؟ جب کہ خدا اس تاریکی میں بھی عہد شکنی کو دیکھ رہا ہے۔ میں تیرے اس حسن

کی قوت کو تسلیم کرتا ہوں۔ میں تیرے جسم سے چھو جانے کی لذتوں کو محسوس کرتا ہوں بہرحال میں گوشت اور خون کا بنا ہوا انسان ہوں، لیکن اس وقت تک کہ میرے حواس سلب نہ کر لئے جائیں اس وقت تک کہ ایک سانس بھی میری حیات کے ثبوت میں پیش کی جا سکے، میں تیری ان خوفناک ترغیبات کے سامنے سر عجز نہیں جھکا سکتا مجھے چھوڑ دے اور ہوش میں آ۔ اب بھی وقت ہے جو کچھ تو کر رہی ہے۔ اس پر نادم ہو کر اپنی روح کو زیادہ داغدار ہونے سے بچا لے۔"

مرآندا نے جس وقت راہب کی یہ گفتگو سنی اس کی برہمی کی کوئی انتہا نہ رہی اور انتہائی غیظ و غضب کی حالت میں کرسی پر بیٹھ کر راہب کو اپنے اوپر گرا لیا، اور دونوں ہاتھوں سے اسی حالت میں اسے مضبوط پکڑ کر بلند آواز سے چیخنے لگی " دوڑو دوڑو مجھے راہب سے بچاؤ۔"

یہ آواز خلوت خانہ سے نکل کر چاروں طرف پھیل گئی اور راہبوں کا سردار بھی کنواریوں اور دوسرے راہبوں کے ہجوم میں اندر داخل ہوا۔ سب نے دیکھا کہ حیر دن اور مرآندا دونوں گتھے ہوئے ہیں۔ مرآندا کے بال پریشان ہیں، لباس بے ترتیب ہے اور زار و قطار رو رہی ہے۔ جس وقت راہبوں کا سردار قریب آیا۔ مرآندا اٹھ بیٹھی اور اس کے قدموں پر گر کر بولی۔ " اے معبد شماش کی مقدس ترین ہستی، مجھے اس ناپاک اور شریر راہب نے تباہ کر ڈالا۔ میری عصمت جس کی قیمت کونین کی دولت نہ ہو سکتی تھی اس نے زبردستی مجھ سے چھین لی۔ میں اس پاک و متبرک خلوت گاہ میں خدا کے سامنے اس وحشی راہب کے آگے قدموں پر جھکی ہوئی تھی کہ اس راہب نے بجائے اس کے کہ میرے گناہوں کے بار کو کم کرتا۔ ایک نہایت ہی سخت و شدید گناہ

سے میری روح کو اور زیادہ داغدار کر دیا۔ مجھ کو دیکھتے ہی اس کی حالت بدل گئی، اس نے روشنی گل کر دی۔ اس نے مجھے اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔ اس نے اپنی کرسی پر زبردستی مجھے لٹا دیا۔ اور پھر۔ آہ۔ اے راہب اعظم اس سے زیادہ کہنے پر مجھے مجبور نہ کرے۔" مرآنندا نے یہ سب کچھ اس قدر بے ساختہ انداز سے بیان کیا کہ لوگوں کو بالکل یقین ہو گیا اور راہب نے حیرون سے جو وہیں سر جھکائے کھڑا تھا پوچھا۔

"اے بدبخت راہب تو نے کیا کیا؟"

حیرون یہ سن کر تھوڑی دیر خاموش رہا اور پھر جواب دیا: "اے راہب اعظم میرے پاس اس الزام کا کوئی جواب سوائے اس کے نہیں ہے کہ خدا اس عورت کی حالت پر رحم کرے اور اپنے گناہوں سے اس کو شرم آئے۔"

حیرون یہ کہہ کر خاموش ہو رہا۔ اس کے بعد حیرون کو فوراً گرفتار کر لیا گیا اور حاکم معبد کے سامنے پیش کیا گیا اس واقعہ سے تمام معبد شماس میں ہلچل پڑ گئی اور وہ لوگ جو حیرون کی مرتاض زندگی اور مرآنندا کی طینت سے واقف تھے۔ چاہتے تھے کہ اصل حقیقت کو حیرون ظاہر کر دے۔ لیکن حیرون جسے اپنی زندگی کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ اس پر راضی نہ ہوا اور آخر کار ایک ہفتہ کے بعد فیصلہ سنا دیا گیا کہ حیرون ایک سال تک مقید رہنے کے بعد بازار میں جلا دیا جائے۔

(۵)

اس واقعہ کو گذرے ہوئے کئی مہینے گذر چکے ہیں اور مرآنندا اپنے مرض محبت سے صحتیاب ہو کر پھر اسی مندر میں اشغال روزانہ میں بدستور مصروف نظر آتی ہے

اسی اثنار میں ناگہاں شہر کے اندر یہ خبر مشہور ہوئی کہ شاہزادہ اُر نہایت تزک و احتشام کے ساتھ اربد میں آیا ہے اور کچھ دن یہاں صرف کرے گا۔ اس شاہزادے کے حسن و جمال۔ شان و شوکت کے افسانے تمام ملک میں مشہور تھے۔ اور اس لئے جب وہ اربد پہنچا تو طبقۂ نسواں میں ایک ہل چل مچ گئی۔ یہانتک کہ ان کی ساری آرائش ملبوس اور نمائش حسن صرف اسی کے لئے ہونے لگی۔ جب مرآندا نے یہ خبر سنی تو اس کے دل میں بھی شوق و دلولہ پیدا ہوا۔ اور آخر کار ایک شام جب شہزادہ معبد شماس میں آنے والا تھا۔ مرآندا بھی وہاں پہنچ گئی۔

جس وقت شہزادہ معبد میں داخل ہوا تو ایک شور مچ گیا اور ہر شخص اس کے دیکھنے کے لئے دوڑ پڑا۔ لیکن مرآندا اپنی جگہ پر قائم رہی۔ کیونکہ اس نے شہزادے کو دیکھنے کے لئے اور اپنے دکھانے کے لئے ایک مخصوص ساعت سوچ رکھی تھی۔ جس وقت قربان گاہ کے سامنے شہزادہ آیا اور جھک کر عبادت میں مصروف ہوا تو سب سے پہلے آنکھ کھولتے ہی جس چیز کو اپنے سامنے دیکھا وہ مرآندا کی تصویر تھی جو قربان گاہ کی دوسری طرف بالکل محاذ میں اپنی تمام رعنائیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ اس منظر کا صرف ایک ہی ہو سکتا تھا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ شہزادہ اس سے نہ بچ سکا۔ جب مراسم عبودیت ختم ہو گئے اور مرآندا اپنے مکان جانے لگی۔ تو شہزادے نے اپنا ایک خاص خادم اس کے پیچھے روانہ کیا کہ اس کا مکان دیکھ آئے۔ آخر کار چند دنوں میں ہر شخص کو معلوم ہو گیا کہ شہزادہ مرآندا پر مفتون ہو گیا ہے اور شہر کی نوجوان عورتیں جنھوں نے مرآندا کے مقابلہ میں اپنے اپنے تیر و کمان شہزادہ کو زخمی کرنے کے لئے سنبھالے تھے مایوس و ناامید ہو گئیں۔ شہزادے کو لوگوں نے سمجھایا

مراندا کے گذشتہ واقعات زندگی سے مطلع کیا۔ لیکن مراندا کا سحر ایسا معمولی سحر نہ تھا کہ یوں آسانی سے دور ہو جاتا۔ شہزادے نے سنا سب کچھ۔ لیکن کیا وہی جس کے لئے دل بیقرار تھا، اور ایک ہفتہ گذرنے سے قبل مراندا کے ساتھ شادی کرلی۔

اب یہ دونوں شہر کی ایک عالیشان عمارت میں فروکش تھے اور دنیا کی تمام وہ لذتیں جو دولت سے مل سکتی ہیں، مراندا کو حاصل تھیں۔ خادموں کی ایک جماعت شاہانہ ملبوس و آرائش کا انبار۔ دعوتیں، ضیافتیں، محافل رقص و سرود یہ تھیں وہ سب چیزیں جن میں مراندا مصروف نظر آتی تھی۔ اور شہزادہ کی دولت بے دریغ صرف کر رہی تھی۔

اتفاق سے اسی وقت مراندا کا چچا، جس کے پاس مراندا کی چھوٹی بہن رہتی تھی مر گیا۔ اور اپنی ساری دولت دونوں بہنوں کے لئے چھوڑ گیا تھا۔

سلینہ مراندا کی چھوٹی بہن ابھی کمسن تھی۔ اس لئے مراندا ہی اس کی دولت کی مالک ہوئی اور نہایت بیدردی کے ساتھ اسے لٹانا شروع کیا۔ سلینہ گو، مراندا کے برابر حسین نہ تھی۔ لیکن بہر حال اس کی چھوٹی بہن تھی اور از حد دلفریب و دلکش۔ اس کے علاوہ ترکہ کے لحاظ سے وہ ایک بڑی دولت کی مالک تھی، اس لئے ملک کے بڑے بڑے رؤسا اس سے شادی کرنے کے خواہشمند تھے، لیکن مراندا کو سلینہ کی شادی منظور نہ تھی۔ وہ ہر درخواست کو کسی نہ کسی عذر کے ساتھ رد کر دیتی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ شادی ہونے کے بعد ساری دولت ہاتھ سے جاتی رہے گی اور جو کچھ وہ صرف کر چکی ہے اس کا بھی مطالبہ کیا جائے گا، ایک زمانہ تک مراندا اس میں کامیاب رہی، لیکن اتفاق سے ایک ایسے امیرزادہ نے

سلینہ کی خواہش کی جس کے ساتھ اسے بھی محبت تھی۔ اور جب مراندا نے اس مہلت کو بھی منظور نہ کیا تو سلینہ جو اپنی بہن کے مظالم سے اب بالکل بیزار تھی منحرف ہوگئی اور اپنے ایک دوسرے عزیز کے پاس جو شہر کا ایک بڑا ذی اثر تاجر تھا چلی گئی۔ یہاں پہنچ کر سلینہ نے اپنے عاشق کے ساتھ آزادی سے ملنا شروع کیا۔ اور یہ عزم کرکے کہ وہ اس سے شادی ضرور کرے گی، مراندا سے اپنی جائداد کا مطالبہ کیا، یہ وقت مراندا کے لئے بہت سخت تھا، کیونکہ وہ اپنی بہن کی دولت کا بڑا حصّہ صرف کر چکی تھی۔ اور یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اسے واپس کر سکے۔ وہ مختلف تدابیر سوچتی تھی اور کسی پر مطمئن نہ ہوتی تھی آخر کار اس کی ذہین طبیعت نے ایک تدبیر نکالی اور اپنے ایک خادم خصوصی کو جو علاوہ فہیم طبع ہونے کے خوبصورت بھی تھا۔ طلب کیا، اس کی عمر سترہ سال کی تھی اور جس وقت سلینہ اپنی بہن کے پاس رہتی تھی اس وقت سے یہ اس سے محبت کرتا تھا۔ ہرچند وہ محبت حد سے آگے نہ بڑھنے دی گئی تھی، تاہم اس کی گرمی بردنی کے دل میں موجود تھی اور وہ اب بھی کبھی کبھی سلینہ کے خیال سے بیقرار ہو جاتا تھا۔

مراندا نے اس نوجوان کو اپنے خلوت کدہ میں جہاں پہنچنے کے لئے ملک کے بڑے بڑے رئیس تمنائیں کرتے تھے اور نہ پہنچ سکتے تھے، بلایا اور اس کے اندر آتے ہی دروازہ بند کر لیا۔ بردنی کے لئے اس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اپنے آپ کو مراندا کی خلوت گاہ میں تنہا پایا ہو۔ وہ متحیرانہ کھڑا دیکھ رہا تھا کہ مراندا نے پوچھا۔ "اے بردنی تجھے معلوم ہے کہ مجھے تیرے اوپر کس قدر اعتماد ہے؟"

بردنی۔ "اے محترم خاتون میر تیرا لطف وکرم ہے اور شاید میں کبھی اس عنایت کو فراموش نہیں کر سکتا۔"

مرانڈا آگے بڑھی اور اپنے گورے گورے ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر نہایت محبت آمیز لہجہ میں مسکراتی ہوئی بولی۔ "میں تجھ سے ایک کام لینا چاہتی ہوں کیا تو اُسے کرے گا؟" بردنی نے جو مرانڈا کے حسین جسم سے چھُوکر جوش مجسم ہو گیا تھا، ایک شرم آلود شوق کے ساتھ جواب دیا۔ "دنیا میں وہ کونسی بات ہے جو میں تیرے حکم کی تعمیل میں نہیں کر سکتا۔؟"

مرانڈا یہ سن کر اور آزاد ہوئی۔ اور بردنی کے شانے کے قریب جا کر کئی بار اپنے ہاتھوں سے دبا دیا۔ جوش و ہیجان اس کی آنکھوں سے ٹپکنے لگا۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ اور بے اختیار مرانڈا کے قدموں پر گر پڑا۔ اور بولا۔ "اے خاتون مجھے جلد کوئی حکم دے تاکہ میں اس کی تعمیل کروں۔" یہ سن کر مرانڈا مسکرائی اور بولی۔ "اے بردنی ممکن ہے وہ کام ایسا ہو کہ بجائے محبت کے میری طرف سے تجھ نفرت ہو جائے، بردنی نے جواب دیا۔ "دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھے تجھ سے متنفر کر دے، خدا کے لئے جلد بتا کہ میری بیقراریاں اب مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتیں۔"

مرانڈا بولی۔ "اگر تو نے یہ خدمت انجام دی تو اطمینان رکھ کہ اس کے اعتراف میں میری طرف سے وہ طرزِ عمل دیکھے گا جس کی خواہش اس وقت تیرے دل کو مضطر کئے ہوئے ہے۔" یہ سن کر بردنی پھر اس کے قدموں پر گر پڑا۔ لیکن مرانڈا نے فوراً اس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور بولی۔ "اچھا جا، اور جس طرح ممکن ہو سلینہ کو ہلاک کر ڈال۔" بردنی نے یہ سُنا اور بغیر اس کے کہ اس پر وہ کچھ اظہارِ حیرت و استعجاب کرتا فوراً تعمیلِ حکم کے لئے نہایت مسرت سے آمادہ ہو گیا۔ مرانڈا چاہتی تھی کہ اس کو کوئی تدبیر بتائے بردنی نے کچھ نہ سُنا اور دیوانہ وار دروازہ سے باہر نکل کر چلا گیا۔

(۶)

سلینہ شام کو اپنے مکان میں بیٹھی ہوئی تھی، خادم نے اطلاع دی کہ بردنی مراندا کا خادم پریشان و مضطرب آیا ہے اور کچھ کہنا چاہتا ہے۔ سلینہ نے اندر بلا لیا۔ بردنی روتا ہوا آیا اور زمین پر گر کر بولا "مجھے مراندا نے نکال دیا ہے اور چونکہ میں نے اسی خاندان میں پرورش پائی ہے، میرا جی یہ نہیں چاہتا کہ کہیں اور چلا جاؤں۔ اس لئے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو ہی اپنے پاس رہنے کی اجازت دے۔" سلینہ جو بردنی کو اچھی طرح جانتی تھی، اور کبھی اس کی محبت آمیز نگاہوں کو دیکھ کر خوش ہوا کرتی تھی فوراً راضی ہو گئی۔ اور اسے اجازت دے دی کہ وہ نہایت اطمینان و مسرت سے یہاں زندگی بسر کرے۔ بردنی رہنے لگا۔ اور شب و روز اسی فکر میں مستغرق کہ اسے موقع ملے اور وہ سلینہ کے جام شراب میں زہر ملا دے جسے وہ ہر وقت اسی غرض سے اپنے پاس رکھتا تھا۔

آخرکار ایک صبح سلینہ نے اس سے جام شراب طلب کیا اور بردنی نے زہر ملا کر پیش کر ہی دیا۔ جس کو سلینہ اٹھا کر فوراً پی گئی۔ ایک گھنٹے کے بعد سلینہ کی طبیعت بگڑی۔ جسم میں آماس آنا شروع ہوا۔ آنکھیں اُبل پڑیں اور سخت کرب و اضطرات میں مبتلا ہو گئی۔ معالجین طلب کئے گئے۔ اور سلینہ کا مسموم ہونا سب پر ظاہر ہو گیا۔ بردنی گرفتار کر لیا گیا۔ کیونکہ اس دن صبح کو سوائے اس کے اور کسی نے کوئی چیز سلینہ کو نہیں دی تھی۔ سارے شہر میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ بردنی نے مراندا کی سازش سے سلینہ کو زہر دیا ہے اور سلینہ قریب بہ مرگ ہے۔ اس واقعہ سے ہر طبقہ میں ایک ہل چل مچی ہوئی تھی، اور قریب قریب ہر

شخص اس سے دلچسپی لے رہا تھا۔ کیونکہ اب کوئی شخص ایسا نہ تھا جو مرآندا کی حالت سے واقف نہ ہو اور اس کے عادات و اطوار سے بیزار نہ ہو گیا ہو۔

دوسرے دن حاکم کے سامنے مقدمہ پیش ہوا اور برڈنی نے جس کو انکار کر دینے کا کوئی موقع حاصل نہ تھا۔ اعتراف جرم کرتے ہوئے ظاہر کیا کہ مجھے مرآندا کے مواعید نے بالکل مست و بیخود کر دیا تھا۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا تھا کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ کس قدر نادرست و نازیبا ہے۔ برڈنی کے اس بیان پر مرآندا بھی گرفتار کی گئی اور اسی محبس میں جہاں برڈنی قید کیا گیا تھا رکھی گئی۔ دوسرے دن جب حاکم فیصلہ سنانے والا تھا۔ سارا شہر امڈا چلا آ رہا تھا اور ہر شخص مرآندا کے خلاف حکم سننے کے لئے بیتاب نظر آ رہا تھا۔ شاہزادہ اُر، مرآندا کا شوہر بھی عدالت گاہ میں آیا اور اپنی محبوب بیوی کو اس حال میں دیکھ کر سخت متاثر ہوا۔ لوگوں کو یقین تھا کہ اب شہزادے کو مرآندا سے نفرت ہو جائے گی اور طلاق دیدے گا لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہاں اس واقعہ سے محبت بجائے گھٹنے کے اور بڑھ گئی تھی جس کا سبب محبت کی بے اصول دنیا میں کوئی قائم نہیں کیا جا سکتا۔ آخر کار مقدمہ پیش ہوا اور مرآندا کے سامنے برڈنی نے ان تمام واقعات کو دہرایا جو خلوت گاہ مرآندا کی یادگار تھے۔ مرآندا نے سنا اور اقرار کیا حاکم نے اس اقرار کو لکھا اور فیصلہ سنایا۔

"کل صبح برڈنی کو مجمع عام میں سولی دی جائے اور مرآندا دو گھنٹے سولی کے نیچے کھڑی رہے۔ اس حال میں کہ اس کی گردن میں ایک رسّی ہو جس کا دوسرا کنارہ سولی سے بندھا ہو اور اس کے سینہ و پشت پر اس

ذلت کے اسباب نہایت روشن حروف میں لکھ کر مشتہر کئے جائیں۔"

بعض کا خیال تھا کہ مرآندا کے ساتھ رعایت کی گئی اور حاکم اس کے حسن سے مرعوب ہو گیا۔ تاہم یہ مسرت بھی کچھ کم نہ تھی کہ مرآندا کی ذلت اچھی طرح ہو جائے گی اور اس کے غرورِ حسن کو جس نے اس کے دماغ کو اس درجہ خراب کر دیا تھا۔ کافی صدمہ پہونچ رہے گا۔

دوسرے دن نفاذ حکم ہونے والا تھا۔ اور صبح ہی سے قصاص گاہ پر اسقدر لوگوں کا ہجوم تھا کہ کہیں تل رکھنے کو جگہ باقی نہ تھی۔ سارے میدان میں چاروں طرف کے مکانات اور ان کی چھتوں پر آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ اور اس لمحہ کیلئے بیقرار جب مرآندا اور اس کے فریب حسن میں مبتلا ہونے والا بردنی میدان میں لائے جانے والے تھے۔

کسی نہ کسی طرح انتظار کی یہ سخت گھڑی ختم ہوئی۔ اور مرآندا ہجوم کے اندر سے نمایاں ہوئی۔ وہ اس وقت بھی نہایت مکلف و زرکار ملبوس سے آراستہ تھی، سیاہ ریشمی چادر جس پر جابجا الماس ٹکے ہوئے تھے اس کے بدن سے لپٹی ہوئی تھی اور موتیوں کے ہار گلے میں تھے۔ بالوں میں سپید پھول گندھے ہوئے تھے۔ اس کے آگے آگے ایک خادم مخمل سے منڈھی ہوئی ایک چوکی لا رہا تھا اور ساتھ ساتھ اس کا شوہر مرآندا کو سنبھالے ہوئے تھا۔ پیچھے بہت سے خادموں کی قطار تھی۔ جو مرآندا کی ضروریات کے متعلق بہت سی چیزیں اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے نہایت ادب سے آہستہ آہستہ آرہے تھے۔ مرآندا کا چہرہ گو اسوقت تبسم آشنا نہ تھا۔ لیکن مضمحل افسردہ بھی نظر نہ آتا تھا وہ آہستہ آہستہ بڑھی اور مخملی چوکی پہ قصاص گاہ میں کھڑی ہو گئی

دو کنیزوں نے اس کے دامن کو جو زمین پر لٹک رہا تھا اٹھایا اور تمام خدام پیچھے ادب سے کھڑے ہو گئے۔ جس وقت مراندا آدمیوں کے ہجوم سے برآمد ہوئی۔ لوگوں میں ایک شور نفرت و اشکراہ کا بلند ہوا لیکن جب اسے متانت و غرور کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا تو سب پر حیرت طاری ہو گئی اور ہر شخص اپنی جگہ ساکت و دم بخود ہو کر رہ گیا۔

اب وہ وقت آیا کہ حکم کا نفاذ ہوتا۔ مراندا کے گلے میں ایک رسی باندھی گئی، اور اس کا دوسرا کنارہ سولی سے باندھ کر سینہ و پشت پر ایک تحریر آویزاں کی گئی۔ جس میں اس کے جرم و ذلت کا اعلان تھا۔ مراندا کو اسی حال میں کھڑے ہوئے دس منٹ گذرے ہوں گے کہ برونی لایا گیا۔ اور اس کا رنگ زرد تھا اور چہرہ سخت افسردہ اس کا ملبوس سیاہ تھا۔ سر برہنہ تھا اور بال الجھے ہوئے اور پریشان تھے۔ جب وہ سولی کے پاس آیا تو اس نے مراندا کو دیکھا اور دیکھتے ہی قدموں پر گر پڑا اور بولا:۔

اے مراندا میں سخت نادم ہوں کہ میں نے تجھے اس قدر بدنام کیا۔ میں جانتا ہوں کہ میری یہ خطا ہرگز معافی کے قابل نہیں۔ لیکن اگر تو نے اس کو بھلا دینے کا وعدہ نہ کیا تو میری جان نہایت دشواری سے نکلے گی۔ میں اپنی کمزوریوں کو محسوس کرتا تھا کہ میں نے صرف اپنی جان بچانے کے لئے تجھے رسوا کیا جو دنیائے محبت کا شدید ترین جرم ہے۔ لیکن اب جبکہ میرے سارے تعلقات دنیا والوں سے قطع ہو رہے ہیں۔ اگر تو معاف کر دے گی تو میں یقیناً کچھ آسانی سے دم توڑ سکوں گا۔ جس میں تیرا کوئی نقصان نہیں ہے۔ کیا میں پھر التجا کروں اور تجھ سے طلب عفو ہ؟"

مرآنڈا نے حد درجہ غرور و استغنا سے برڈنی کی اس التجا کو سُنا اور بولی میں معاف کرتی ہوں۔ اگر تیرے لئے اس میں کچھ تسلی ہے۔"

یہ سن کر برڈنی خوش خوش اٹھا اور سولی کے زینے پر چڑھ گیا۔

مرآنڈا چاہتی تھی کہ وہ اس منظر کو نہ دیکھے۔ لیکن حاکم نے اسے مجبور کیا کہ وہ اوپر کی طرف نگاہ اُٹھائے اور اس شخص کو دیکھے جسے اس نے اس حال میں مبتلا کیا ہے۔

مرآنڈا نے گردن اٹھا کر اوپر دیکھا ہی تھا کہ برڈنی سولی پر چڑھا دیا گیا، اور سارے مجمع میں شور بلند ہو گیا۔ برڈنی تڑپ رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں اینٹھ رہے تھے اور مرآنڈا متحیرانہ کھڑی دیکھ رہی تھی۔ جب دو گھنٹہ کے بعد برڈنی کا جسم سرد ہوا تو مرآنڈا کو وہاں سے جانے کی اجازت دی گئی۔ لیکن مرآنڈا قصاص گاہ سے لوٹی ہے تو اس کے غرور کا وہی عالم تھا۔ اور اس کے عدم تاثر کی وہی کیفیت۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی تفریح گاہ سے۔ کسی باغ سے تفریح کے بعد خراماں خراماں چلی آ رہی ہے، اور اس کا چہرہ فرط انبساط سے جگمگا رہا تھا۔

(۷)

چند دن گذر گئے۔ اور اس لئے اگر کوئی تاثر مرآنڈا کے قلب میں تھا بھی تو وہ بالکل زائل ہو چکا تھا۔ مرآنڈا کی بہن اب صحتیاب ہو چکی تھی۔ اس لئے اس نے اپنی جائداد کا مطالبہ نہایت شدت سے شروع کیا۔ اس کے ہونے والے شوہر نے عدالت سے چارہ جوئی کی اور وہاں سے ایک افسر مطالبہ وصول کرنے کے لئے مرآنڈا اور اس کے شوہر کے پاس بھیجا گیا۔ چونکہ مرآنڈا اپنی خیانت و تصرف ناجائز کی

تلافی کسی طرح نہ کر سکتی تھی۔ اس لئے حاکم نے دو افسر اور مرآنندا کے مکان پر متعین کر دئے تاکہ وہ نگرانی رکھیں اور کوئی اسباب مکان سے باہر نہ جانے دیں۔ مرآنندا کے لئے یہ صدمہ حقیقتاً ناقابلِ برداشت تھا۔ اور اس وقت وہ اپنے عزم و استقلال اپنے غرور استغنا کو بہت کمزور محسوس کرتی تھی۔ اس کو یقین تھا کہ اگر روپیہ نہ ادا کیا گیا تو اس کا شوہر قید ہو جائے گا۔ اور وہ خود بالکل تباہ و برباد۔ اسے اپنے شوہر کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ تھی بلکہ وہ اپنے اوپر آنے والی مصیبت سے کانپ رہی تھی۔ وہ مضمحل اور افسردہ ہو کر پڑ گئی۔ غذا ترک کر دی اور یہ پہلا موقع تھا کہ حقیقی معنی میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ اور اس کے سینے میں اک آگ بغض و فساد کی اپنی بہن کی طرف سے مشتعل ہو رہی تھی۔ اور وہ چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح سلینہ کا وجود دنیا سے معدوم کر دیا جائے۔ اس کا شوہر جس کو مرآنندا کے ساتھ عشق تھا اور ایک لمحہ کے لئے بھی اسے پریشان نہ دیکھ سکتا تھا بے تاب ہو گیا، اور بولا۔

"اے مرآنندا اب میں کیا کروں۔ اگر تیری سمجھ میں کوئی تدبیر اس بلا سے نجات حاصل کرنے کی آتی ہے تو بتا۔ میں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

مرآنندا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور شوہر کی تمام الحاح و زاری اُسے کوئی تسکین نہ دے سکی۔

ایک ہفتہ اسی حال میں گذر گیا۔ یہاں تک کہ مرآنندا کا شوہر سخت بیتاب ہو گیا اور پھر ایک بار اس کی تسکین و تسلی کے لئے گیا۔ مرآنندا اس کو دیکھ کر اور زار و قطار رونے لگی اور بولی۔

"میں کیونکر زندہ رہ سکتی ہوں۔ جب کہ سلینہ زندہ ہے"۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی

باہیں شہزادے کے گلے میں ڈال دیں۔ اور ہچکیاں لینے لگی۔ مرانداؔ کی یہ حالت اس سے دیکھی نہ گئی۔ اور بے اختیار ہو کر بول اُٹھا "مرانداؔ میں تیار ہوں کہ سلینہؔ کو ہلاک کر ڈالوں اور تیری مسرتوں کی راہ سے اُسے خس و خاشاک کی طرح کاٹ کر پھینک دوں۔ میں اس کے لئے ایک مردانہ عزم کرتا ہوں۔ لیکن خدا کے لئے تو اپنی حالت سنبھال۔ ورنہ میں کچھ نہ کر سکوں گا، اور ہلاک ہو جاؤں گا۔"

مرانداؔ اس حد تک اپنے شوہر کو آمادہ کر کے کچھ مطمئن ہوئی اور مشورہ کے بعد یہ قرار پایا کہ برونیؔ کے اعزہ و احباب کی طرف سے گمنام خطوط سلینہؔ کے پاس بھیجے جائیں تاکہ سلینہؔ کی ہلاکت اس جانب سے منسوب کی جائے اور مرانداؔ پر کسی کو شک نہ ہو۔ چنانچہ یہ خطوط بھیجے گئے اور تمام شہر کو معلوم ہو گیا کہ برونیؔ کے احباب و اعزہ سلینہؔ کے دشمن ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد شہزادے نے قصد کیا کہ وہ خود سلینہؔ کو ہلاک کرے اور کسی خادم کو ذریعہ نہ بنائے۔ چنانچہ وہ تلوار و خنجر سے آراستہ ہو کر نکلا کہ سلینہؔ پر ان کا استعمال کرے۔ کئی راتیں اسی فکر میں گذر گئیں۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہوا، پایان کار ایک شب سلینہؔ جبکہ معبد شماسؔ سے واپس آرہی تھی، اور شاہزادہ بھی سیاہ لباس میں لپٹا ہوا موقع کا منتظر تھا۔ وہ وقت آہی گیا جس کے انتظار میں مرانداؔ بے قرار تھی، اس نے پشت کی طرف آکر سلینہؔ کے شانہ پر خنجر کا وار کیا۔ اور سلینہؔ چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔

شاہزادہ بھاگا۔ لیکن اسی وقت معبد شماشؔ سے بہت سے لوگ واپس آرہے تھے، سب کے سب دوڑ پڑے اور اس کا تعاقب کیا۔ مرانداؔ کے شوہر کے لئے یہ وقت بہت سخت تھا۔ کیونکہ متعاقبین کی جماعت بڑھتی جاتی تھی۔ اور راہ فرار اسے کوئی نظر نہ آتی تھی۔ مجبور ہو کر ٹھہر گیا اور دونوں ہاتھوں میں تلوار لے کر اپنی جان بچانے

میں مصروف ہو گیا۔ لیکن جب اس کے ہاتھ شل ہو گئے اور تھک کر گر پڑا تو لوگوں نے گرفتار کر لیا۔ اور یہ معلوم کر کے کہ سلینہ کا قاتل مرانڈا کا شوہر ہے تو لوگوں کو سخت حیرت ہوئی۔

دوسرے دن عدالت میں شہزادہ پیش کیا گیا اور اس نے نہایت جرأت و دلیری سے اعتراف جرم کیا۔ اس کا مکان اور سارا اسباب ضبط کر لیا گیا۔ اور مرانڈا بھی شام تک اس محلس میں آ گئی۔ جہاں اس کا شوہر مقید تھا۔ مرانڈا کی حالت اب یہ تھی کہ کبھی وہ رونے لگتی اور کبھی اپنے اوپر ملامت کرتی۔ لیکن اس کا شوہر صرف اس خیال سے مطمئن تھا کہ اس کی محبوبہ اس کے پاس ہے۔ چونکہ شہزادہ نہایت شریفانہ خصائل کا شخص تھا اس لئے تمام لوگوں کو اس کے ساتھ ہمدردی تھی مگر یہ ہمدردی اس کی قسمت کا فیصلہ نہ ٹال سکتی تھی۔ جو نہایت سخت اور دل دوز تھا۔

فیصلہ کا دن آیا اور عدالت نے حکم سنایا۔

"شہزادہ کا سر بازار میں قطع کیا جائے اور مرانڈا خارج البلد"

(۸)

دوسرے دن لوگوں کے ہجوم میں شہزادہ قصاص گاہ پر لایا گیا۔ اس حال میں کہ مرانڈا بھی اس کے ساتھ تھی۔ مگر فرق یہ تھا کہ وہ افسردہ و مضمحل تھی اور یہ مسرور و مطمئن۔ تھوڑی دیر بعد گھنٹی بجی جس سے مقصود تھا کہ مجرم کو اب اپنے احباب و اعزہ سے رخصت ہو لینا چاہیئے۔ یوں تو شہزادہ کے ساتھ اریدد کا ہر شخص ہمدردی رکھتا تھا۔ لیکن اس کی نگاہ میں صرف ایک ہی ہستی ایسی تھی جس سے اسے رخصت ہونا

تھا۔ وہ آگے بڑھا اور مرآندا کے قدموں پر گر پڑا۔ شہزادہ اپنی جگہ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا اور مرآندا اپنی جگہ مجسمہ کی طرح قائم تھی۔ تھوڑی دیر تک گفتگو نہ ہو سکی لیکن اس کے بعد دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور ساری جماعت پر ایک گہرا اثر طاری ہو گیا۔ جب شہزادہ کا جوش کچھ کم ہوا۔ اور ہچکیاں رکیں، تو وہ اٹھا۔ تاکہ مرآندا سے اپنے سر کو جلاد کے سامنے پیش کرنے کی اجازت طلب کرے۔ شہزادہ نے کہا،

"اے پیاری مرآندا! افسوس ہے کہ میری زندگی تیری خدمت کے لئے بہت مختصر ثابت ہوئی، اور میں اپنے حوصلہ کے مطابق تیری پرستش نہ کر سکا۔ پھر جس وقت یہ خیال کرتا ہوں کہ تجھے میری وجہ سے تکلیفیں پہنچیں۔ تو میں اپنی قطع حیات سے خوش ہونے لگتا ہوں کہ شاید یہ اسی کی سزا ہے۔ بہر حال میں اب تجھ سے جدا ہوتا ہوں کیونکہ یہ جدا ہونا ناگزیر ہے۔ کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ تو اس جدائی کو آسانی سے برداشت کر لے گی تاکہ میں اپنی اس روح و تن کی جدائی کو آسانی سے برداشت کر سکوں ۔۔۔۔"

یہ کہا اور پھر قدموں پر گر پڑا۔ اٹھا اور پھر رونے لگا۔ اس کے سینہ میں اس وقت عجیب و غریب قسم کے جذبات کا ہجوم تھا اور اسے کسی طریق اظہار سے تسکین نہ ہوتی تھی اور وہ اسی حال میں تھا کہ دوسری گھنٹی بجی۔ جس کے سنتے ہی مرآندا بیہوش ہو کر گر پڑی۔ اور شہزادہ پکڑ کر قصاص گاہ پر لایا گیا۔ قصاص گاہ بازار کا ایک میدان تھا۔ جہاں ایک جگہ نشیب میں پتھر کی ایک بڑی سل رکھی ہوئی تھی، اور اس پر لکڑی کا ایک تختہ نصب تھا۔ شاہزادہ خراماں خراماں آیا اور تختہ کے پاس پہنچ کر اپنے کرتے کی آستین الٹی، گلے سے رومال کھول کر ہاتھ میں لیا۔ اور جلاد کو جو

قریب ہی ایک برہنہ تلوار لئے کھڑا تھا۔ بیس اشرفیاں دے کر بولا۔
۔ اسے قبول کر اور جس وقت میں رومال کو تیسری بار جنبش دوں اپنی خدمت،
تکمیل کے ساتھ انجام دے۔"

یہ کہا اور اپنا سر تختہ پر رکھ دیا۔ شہزادہ نے سر رکھتے ہی اپنے رومال کو پہلی بار جنبش دی اور جلاد مستعد کھڑا ہوگیا۔ جب شہزادہ نے دوسرا اشارہ کیا تو اس نے اپنی تلوار سونت لی۔ اور اس کے بعد ہی تیسرے اشارہ پر ہوا میں شہزادے کے سر پر ایک چمک سی پیدا ہوئی اور تلوار اس کی گردن میں پیوست ہوگئی۔ ہجوم میں ایک شور پیدا ہوا۔ دیکھنے والوں کے چہرے متغیر ہوگئے۔ اور دلوں پر حسرت و تاسف کا ایک گہرا سکوت مستولی ہوگیا۔ مرانڈا بیہوش تھی اور تیاری کی جا رہی تھی کہ اسے یہاں سے اٹھائے جائیں، لیکن ابھی ایک رسم اور باقی تھی۔ یہ قاعدہ تھا کہ قصاص کے بعد جلاد مقتول کے سر کو ایک نیزہ پر بلند کر کے سب کو دکھاتا تھا۔ اس غرض سے جلاد شہزادہ کی پھڑکتی ہوئی نعش کے پاس پہنچا تو اسے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ سر جسم سے علیحدہ نہیں ہوا۔ اور شہزادہ ہنوز زندہ ہے۔ یہ دیکھ کر جلاد تلوار کی دوسری ضرب سے سر جدا کرنا چاہتا تھا کہ مجمع میں ایک شور بلند ہوا اور اس کی سخت مخالفت کی گئی۔ یہ بھی قانون تھا کہ اگر ایک ضرب میں مجرم ہلاک نہ ہو تو دوسری ضرب نہیں پہنچائی جاتی تھی۔ خواہ وہ جانبر ہی کیوں نہ ہو جائے، چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور شہزادے کے جسم کو اٹھا کر لے گئے۔ شہر کے بہترین معالجین جمع کئے گئے، اور انھوں نے دیکھ کر جانبر ہونے کی امید دلائی۔ کیونکہ تلوار بجائے گردن کے شانے کی ہڈی میں تیر گئی تھی۔ اس لئے نہ گردن کو جدا کر سکی تھی اور نہ شہ رگ کو کوئی صدمہ

پہنچا تھا۔ اس واقعہ کے بعد بھی لوگوں نے اس بات پر زور دیا کہ مرآندا کی جلاوطنی شہزادہ کی صحت تک ملتوی رکھی جائے۔ لیکن وہ عام برہمی جو مرآندا کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں تھی اس کی مخالف ہوئی۔ اور اسی وقت مرآندا جلاوطن کر دی گئی۔

ادھر شہزادہ کا علاج جاری تھا۔ اور اس کی حالت بہتر ہوتی جاتی تھی۔ لیکن خون کے ضائع ہو جانے سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ جلد گفتگو یا حرکت کرنے کے قابل ہو گا وہ ایک عرصہ تک مسلسل بستر علالت پر پڑا رہا۔ لیکن جب دو مہینے کے بعد اس نے اپنی آنکھ کھولی تو سب سے پہلے جو بات اس نے کی یہ تھی کہ :-

"مرآندا کہاں اور کیسی ہے ——؟"

(۹)

ایک سال گذر گیا۔ اریدو نے مرآندا کے افسانوں اور اس کے حسن کی خوبی داستانوں کو بھلا دیا۔ لیکن شہزادہ اور وہ جواب شہزادہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک معمولی حیثیت کا انسان ہے اور مرآندا جواب سفاک و بے رحم مرآندا نہیں ہے، بلکہ حقیقی معنی میں تائب و مرتاض عورت ہے۔ اریدو کے ایک سنسان گاؤں میں اپنی فقیرانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اب ان کی تنہا دولت و مسرت صرف ایک بچی ہے، جو کبھی ماں کے آغوش میں آ کر باپ کو اور کبھی باپ کی آغوش میں آ کر ماں کو اپنی معصوم نگاہوں سے دیکھا کرتی ہے۔

ہندی شاعری نمبر

(کتابی صورت میں)

"نگار" کا سالنامہ جس میں ہندی شاعری کی مکمل تاریخ اور اس کے تمام ادوار کا بسیط تذکرہ موجود ہے اس میں تمام ہندی شعراء کے کلام کا انتخاب ترجمہ کے ساتھ درج ہے۔ ساتھ ہی ہندی کے تمام اصناف شعری ان کے موضوعات مباحث اور ساتھ ہی اردو شاعری سے تقابل اور تبصرہ پر سیر حاصل مقالات ہیں۔ ہندی کی اصل قدر و قیمت معلوم کرنی ہو تو اردو میں صرف یہی ایک مجموعہ کافی ہے۔ شائقین ادب کے لئے یہ کتاب از بس ضروری ہے۔ قیمت تین روپے۔

ادارہ ادب العالیہ - کراچی ۱۸

(۱) شیرلک ہومز

(۲) ناول

(۳) شعلے

(۴) قدوائی [illegible]

(۵) بلجیئن ڈراما